تفضیلی مذہب پر ایک اہم کتاب

انوارِ تحقیق

سیّد محمّد انور حسین شاہ کاظمی

انوارِ تحقیق

بغضِ علی سے باز آ اے وقت کے یزید!
حبِ علی کو دخل ہے تیری نجات میں

زبدۃ التحقیق کی تائید اور عمدۃ التحقیق کے رد میں لکھی گئی مسلمہ کتاب

انوارِ تحقیق

استاذ العلماء علامہ پیر

سیّد محمد انور حسین شاہ کاظمی قادری جیلانی

خلیفۂ مجاز: حضور مفکر اسلام شہزادۂ غوث الوریٰ مدظلہ العالیٰ

سجادہ نشین: دربار عالیہ قادریہ کاظمیہ۔ کاظم آباد شریف

کھوئی رٹہ۔ (کوٹلی) آزاد کشمیر

شعبہ نشر و اشاعت

قادریہ جیلانیہ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ شاہدرہ ٹاؤن لاہور

نام کتاب: انوارِ تحقیق

مصنف: سید محمد انور حسین شاہ کاظمی

پروف ریڈنگ: سید تنویر حسین شاہ کاظمی، سید اسد حسین شاہ کاظمی

سید طیب حسین شاہ بخاری

سن تصنیف: دسمبر 2012ء

سن اشاعت (اول): جنوری 2013ء

قیمت:

تقسیم کار

☆ مکتبہ اہل بیت اطہار۔ 27/A شیخ ہندی سٹریٹ داتا دربار مارکیٹ لاہور۔

☆ دارالعلوم قادریہ جیلانیہ حسنین کالونی شاہدرہ ٹاؤن لاہور۔

☆ دارالعلوم قادریہ جیلانیہ کاظم آباد شریف۔ کھوئی رٹہ ضلع کوٹلی آزاد کشمیر

☆ والتھم سٹو، لندن

☆ احمد بک کارپوریشن، اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی

☆ اسلامک بک کارپوریشن راولپنڈی

آئینہ

امام محمد بن الطیب بن جعفر باقلانی

(۳۳۸ھ/۹۵۰ء تا ۴۰۳ھ/۱۰۱۳ء)

چھٹی صدی ہجری میں اہل سنت کے عظیم بزرگ

الشیخ محمد عبدالکریم الشہرستانی

سببِ تالیف

حضور مفکر اسلام حضرت علامہ پیر سیّد عبدالقادر شاہ جیلانی دامت برکاتہم العالیہ کی کتاب ''زبدۃ التحقیق'' منظر عام پر آئی تو کئی حلقوں میں کھلبلی مچ گئی۔ حاسدین کو بھی 'حرکت ہوئی' اور بعض بے علم اور کانوں کے کچے آپے سے باہر ہوگئے۔ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے لگے ایک طوفان بدتمیزی برپا ہوگیا۔ کسی نے تفضیلی کا فتویٰ جڑ دیا۔ کوئی شیعہ کہنے لگا۔ عقل کے اندھے زبانی کلامی تو من مانیاں کر ہی رہے تھے مصنف اور محقق بننے کے بعض شوقین بھی اس میدان میں کود پڑے اور ''حسبِ توفیق'' ڈھنگیں مارتے رہے اسی سلسلہ میں ایک کتاب ''عمدۃ التحقیق'' کے نام سے منظر پر آئی۔ اس کے پس پردہ کیا معاملات اور کیا منصوبے تھے؟ سردست اس پر ہمیں گفتگو مقصود نہیں ورنہ وہ بھی مستقل داستان ہے اور اس سے کئی پردہ نشینوں کے زہد و اتقاء کی کلی کھلتی ہے۔

''زبدۃ التحقیق'' کو اگر ٹھنڈے دماغ سے پڑھا جائے اور جوش و جذبات کے بجائے ہوش کو قائم و برقرار رکھ کر سمجھنے کی کوشش کی جائے تو یہ

بات سمجھ آتی ہے کہ حضرت مفکر اسلام مدظلہ العالی نے اہل سنت کے مذہب کے خلاف کوئی نیا موقف بیان نہیں کیا بلکہ اہل سنت ہی کا موقف پوری شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے...... ان کا اپنا عقیدہ ہے کہ امت میں جمہور کے عقیدہ کے مطابق حضرت امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ بعض صحابہ کرام سمیت امت میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو حضرت مولائے کائنات باب مدینۃ العلم امیر المؤمنین حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو افضل مانتے ہیں۔ محض اس وجہ سے انہیں گمراہ یا بے دین نہیں کہا جاسکتا بلکہ وہ بھی صحیح العقیدہ اہل سنت ہیں۔ صاحب عمدۃ التحقیق حضرت نقشبندی صاحب سمیت ان کے حواریوں نے اس مسئلہ کو سمجھنے میں ٹھوکر کھائی ہے اور وہ نفس مسئلہ کی تہہ تک نہیں پہنچ سکے جوش میں ہوش کا دامن چھوڑ بیٹھے اور حضور مفکر اسلام مدظلہ العالی کے خلاف موٹی موٹی دو جلدوں میں کتاب لکھ ماری۔ حالانکہ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہ تھا جس پر اس قدر کاغذ، سیاہی اور سرمائے کی تباہی کی جاتی۔ پھر انہوں نے اپنی مرضی سے حضرت مفکر اسلام کا عقیدہ گھڑ کر ان کے نام چسپاں کر دیا جو سراسر ایک بدترین بہتان کے مترادف ہے۔ حضرت مفکر اسلام بار بار ارشاد فرما رہے ہیں کہ جمہور کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں اور ہم اسی نظریہ کے حامل و مالک ہیں مگر نقشبندی صاحب اور ان کے حواری اس کو امر ماننے سے انکاری ہیں، ضد اور ہٹ دھرمی کے ساتھ اپنی مرضی سے ''یہ ارشاد فرماتے'' جارہے ہیں کہ

نہیں جی نہیں آپ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل نہیں مانتے بلکہ آپ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے ہو اور اس وجہ سے اہل سنت سے خارج ہو گئے ہو۔ اب ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ اس منتشر اور مضطرب ذہن کے حامل ضدی اور ہٹ دھرم ٹولے کا علاج کیا کیا جائے؟

محض نیک نیتی اور خیر خواہی کے جذبے سے یہ کتاب ''انوارِ تحقیق'' شائع کی جا رہی ہے تا کہ نا سمجھی یا غلط فہمی میں خواہ مخواہ اہل سنت سے خروج کی نام نہاد تحریک بند کی جائے...... یہ گزارشات اور اہم حوالہ جات فقط اس غرض سے مرتب کر دیئے گئے ہیں تا کہ نقشبندی صاحب اور اُن کے ہم خیال طبقہ کو آئینہ دکھایا جا سکے اس میں کسی طرح کی فتح وشکست کا کوئی تصور پیش نظر نہیں ہاں رضائے رب کے حصول کے لیے اصلاحی حوالے سے یہ کام کیا گیا ہے البتہ یہ بات پیش نظر رہے کہ اگر فریق مخالف ضد وہٹ دھرمی سے باز نہ آیا تو پھر مستقلاً تصنیفی کام بھی منظر پر لایا جائے گا نیز مکمل نیک نیتی کے ساتھ یہ بھی عرض کریں گے کہ اگر اس کے باوجود انا پرستی کے بتوں کی پوجا کرنے والے کم نصیب اپنے خود ساختہ موقف پر ڈٹے رہیں تو انہیں ان کا موقف مبارک ہو۔

اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی
ہم نے تو ''دل'' جلا کے سر عام رکھ دیا

سیّد انور حسین شاہ کاظمی

الاھداء

میں اپنی اس کاوش کو

ملکۂ فردوسِ بریں، اُم الحسنین، خاتونِ جنت وقیامت

بنتِ مصطفٰے سیّدہ طیبہ طاہرہ

حضرت فاطمۃ الزہرا بتول سلام اللہ علیھا

کی خدمت بابرکت میں

بصد عجز و نیاز

نذر کر کے یومِ حشر شفاعت وعطا کا امیدوار ہوں

اگر سیّدہ شفقت فرمادیں تو میرے، میرے اجداد و اولاد اور سب حلقۂ احباب کی نجات کے لئے بہت کافی ہے۔ سچ کہا حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ نے

ہے رتبہ اس لئے کونین میں عصمت کا عفت کا
شرف حاصل ہے ان کو دامنِ زہرا سے نسبت کا

جو جانا خلد میں ہو پائے زہرا سے لپٹ جاؤ
جسے کہتے ہیں جنتِ ملک ہے خاتونِ جنت کا

بتول و فاطمہ زہرا لقب اس واسطے پایا
کہ دنیا میں رہیں اور دیں پتہ جنت کی نکہت کا

وہ چادر جس کا آنچل چاند سورج نے نہیں دیکھا
بنے گی حشر میں پردہ گنہ گارانِ امت کا

اگر سالکؔ بھی یارب دعویٰ جنت کرے حق ہے
جو وہ زہرا کی ہے یہ بھی تو ہے خاتونِ جنت کا

(سیّد محمد انور حسین شاہ کاظمی)

انتساب

اپنے ہادی و راہنما آقائے نعمت

حضور مفکرِ اسلام شہزادۂ غوث الوریٰ، مرشد کبیر، محسن اہل سنت، محقق دوراں،

صاحبِ زبدۃ التحقیق حضرت

پیر سید عبد القادر شاہ جیلانی دامت برکاتہم القدسیہ

کی خدمتِ بابرکت میں خلوص و کامل محبت کے ساتھ

کہ جن کی توجہ میرا سب سے قیمتی اثاثہ ہے

اور

اپنے والدین مرحومین علیہم الرحمۃ والرضوان کے حضور منسوب کر کے عجب کیف و سرور محسوس کر رہا ہوں کہ جن کی محبت، محنت اور پیرانہ سالی میں ایثار نے مجھے علمِ دین سے آراستہ کیا۔

اے اللہ! اس کاوش کو میری، میرے والدین اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جمیع امت کے لئے نجات و غفران کا باعث بنا۔ آمین۔

گُل ہائے تحسین و تبریک

کتاب مستطاب

''انوارِ تحقیق''

از قلم: حضرت علامہ پیر سید انور حسین شاہ کاظمی زید مجدہٗ

مہتمم: جامعہ قادریہ جیلانیہ شاہدرہ لاہور

سال طباعت ۱۴۳۴ھ (۲۰۱۳ء)

☆☆☆

(یہ کتاب دسمبر ۲۰۱۲ء میں تکمیل کو پہنچی اور جنوری ۲۰۱۳ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ علم الاعداد کے ماہر اور قادر الکلام استاد شاعر حضرت سلطان الشعراء علامہ محمد عبدالقیوم طارقؔ سلطانپوری نے دونوں تقویمات کے دونوں سنن کے تاریخی مادے استخراج فرمائے جو ان کے شکریہ کے ساتھ شامل کیے جا رہے ہیں۔)

قطعاتِ تاریخ (سالِ طباعت)

وہ ہے مشکل پسند عالم ہمارا چُنی اُس نے رہ دشوار تحقیق
کتاب اس نے یقیں افروز لکھی یہ ہے اک نیرِ ضوبار تحقیق
بہ خوبی کی بیاں اس نے حقیقت سجایا خوب اس نے دار تحقیق
کیا احقاقِ حق، ابطالِ باطل کیا اس نے مثالی کار تحقیق
قوی اس کے براہین و دلائل بلند انور کا ہے معیار تحقیق
یہ اس کا دل کشا باغ بصیرت یہ اس کا خوشنما گلزار تحقیق
یہ لبریز معارف ہے صحیفہ یہ پُر انوار جلوہ زار تحقیق
یہ علمی اور قلمی کارنامہ مؤثر اس کا یہ اظہار تحقیق
کریں گے اہل حق تائید اس کی سراہیں گے اولی الابصار تحقیق
کہی روئے ادب سے اس کی تاریخ زہے ''یہ کثرت انوار تحقیق''

۱+۲۰۱۱=۲۰۱۲ء

سر بہجت سے ہے تاریخ دیگر خوشا ''یہ کثرتِ انوار تحقیق''

۲+۲۰۱۱=۲۰۱۳ء ۲

(۲)

کرے احقاقِ حق ابطالِ باطل عطا فرمائی حق نے اس کو توفیق

سراہیں گے انسے حق آشنا لوگ یہ اس کی قدر کے قابل ہے تخلیق

عظیم اس کاوش انور کی تاریخ

کہی طارق نے "اوج ذوق تحقیق"

۱۴۳۴ھ

(۳)

عمدۃ التحقیق کا لکھا جواب بہتریں

جو حقیقت ہے، بیان کی وہ بہ اسلوب حسیں

وہ سراہیں گے یہ اعلیٰ کاوش انور ضرور

ہے عزیز از جان جان کو عظمت و توقیر دیں

اس کی تاریخ طباعت ہے سر انوار سے

یہ ادب افزا کتاب حق مودت آفریں

نتیجۂ فکر: ولدادۂ زیبائی فیض سادات

۱۴۳۴ء

محمد عبد القیوم طارق سلطانپوری

——حسن ابدال——

یکم دسمبر ۲۰۱۲ء، ......۱۶ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ

زبدۃ التحقیق کی تائید اور عمدۃ التحقیق کے رد میں لکھی گئی مسلمہ کتاب

انوارِ تحقیق

حقائق کی تہہ تک پہنچنے اور نفس مسئلہ کی تفہیم کے لیے

زبدۃ التحقیق کا مطالعہ بہت ضروری ہے

حضرت امام ابو جعفر محمد باقر صادق رضی اللہ عنہ

برصغیر پاک و ہند کے مسلمہ بزرگ اور پوری امت کے مقبول ولی و صوفی حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رضی اللہ عنہ نے باقر العلوم والخیرات حضرت سیّدنا امام محمد باقر علیہ السلام کے بارے میں مفصل لکھا ہے وہ رقم طراز ہیں کہ:

آئمہ اہل بیت اطہار میں سے طریقت میں دلیل حجت، ارباب مشاہدہ کے برہان امام اولاد دینی برگزیدۂ نسلِ علی، سیدنا امام ابوجعفر محمد صادق بن علی بن حسین علی مرتضی الملقب بہ الامام باقر رضی اللہ عنہم ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ علوم کی باریکیوں اور کتاب الٰہی کے رموز و اشارات اور اس کے لطائف واضح طور پر بیان کرنے میں آپ کو کمال دسترس حاصل تھی۔ آپ کی کرامتیں اور روشن دلائل اور دلائل قاطعہ زبان زد خاص و عام ہیں۔

بادشاہ وقت کا امام باقر علیہ السلام سے مرعوب ہونا:

بادشاہ وقت نے آپ کو شہید کرنے کے ارادے سے کسی کے ذریعہ بلوایا۔ جب اس کے قریب پہنچے تو وہ معذرت کرنے لگا اور تحائف پیش کر

کے عزت و احترام کے ساتھ واپس کیا۔ درباریوں نے حیرت و تعجب سے پوچھا کہ آپ نے تو انہیں شہید کرنے کے لیے بلایا تھا لیکن سلوک اس کے برعکس کیا؟ بادشاہ نے جواب دیا جب وہ میرے قریب آئے تو میں نے دو شیروں کو ان کے داہنے اور بائیں کھڑے دیکھا اور وہ زبان حال سے گویا تھے کہ اگر تو نے امام کے ساتھ بدسلوکی کی تو ہم تجھے مار ڈالیں گے۔ منقول ہے کہ آپ نے آیہ کریمہ:

فمن یکفر بالطاغوت و یؤمن باللہ

جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان رکھا۔"

کی تفسیر میں فرمایا:

من شغلك عن مطالعة الحق فهو طاغوتك

"جو تجھے حق تعالیٰ کے مطالعہ سے غافل کرے، وہی تیرا طاغوت ہے۔"

حضور داتا گنج بخش کی نصیحت:

تو اے طالب حق! اب تمہیں یہ دیکھنا چاہیے کہ کونسی چیز حجاب بنی رہی ہے جو معرفت الٰہی میں مانع ہے اور یاد خدا سے تمہیں غافل بنا رہی ہے اسے ترک کردو تاکہ مکاشفہ ربانی حاصل ہو اور کوئی حجاب و مانع درمیان میں حائل نہ رہے کیونکہ کسی ممنوع و محجوب شخص کو زیب نہیں دیتا کہ وہ قرب کا دعویٰ کرے۔

امام محمد باقر علیہ السلام کی مناجات و دُعا:

آپ کے ایک خادم خاص بیان کرتے ہیں کہ جب رات کا ایک پہر گزر جاتا ہے اور آپ اورادو وظائف سے فارغ ہو جاتے ہیں تو بلند آواز سے مناجات کرتے ہیں اور کہتے ہیں "اے میرے خدا! اے میرے مالک! رات آ گئی ہے اب بادشاہوں کا تصرف و اختیار ختم ہو چکا ہے، آسمان پر ستارے جھلملانے لگے ہیں۔ خلقت گھروں میں جا چکی ہے اور لوگ سو چکے ہیں، آوازیں سکوت میں ڈوب چکی ہیں۔ خلقت لوگوں کے دروازوں سے ہٹ چکی ہے۔ بنو امیہ بھی محوخواب وخور ہیں انہوں نے اپنے خزانوں کو مقفل کر کے پہریدار کر دیئے ہیں جو ان سے طمع و لالچ رکھتے تھے وہ بھی ان سے دور ہو چکے ہیں۔ اے خدا! تو زندہ و پائندہ اور دیکھنے اور جاننے والا ہے۔ تیرے لیے خواب و بیداری برابر ہے جو تجھے ایسا نہ جانے وہ کسی نعمت کا مستحق نہیں ہے۔ اے خداوند کریم! تجھ کو کوئی چیز کسی چیز سے روک نہیں سکتی اور رات، و دن، تیری بقا میں اثر انداز نہیں ہوتے۔ تیری رحمت کے دروازے ہر دعا کرنے والے کے لیے کھلے ہوئے ہیں اور تیرے خزانے تیری حمد و ثنا کرنے والوں کے لیے وقف ہیں تو ایسا مالک حقیقی ہے کہ کسی سائل کو محروم رکھنا تیری شایان شان نہیں ہے۔ تو ہر مومن کی دعا قبول فرماتا ہے کسی کی دعا رد نہیں کرتا اور زمین و آسمان میں کسی سائل کو محروم نہیں رکھتا۔ اے میرے خدا! جب میں موت، قبر، حساب اور حشر کو یاد کرتا ہوں تو دنیا میں یہ دل کسی

طرح چین و قرار نہیں پاتا۔ لہٰذا جو بھی حاجت مجھے لاحق ہوتی ہے میں تجھی سے عرض کرتا ہوں اور تجھی کو فریاد رس جان کر تجھی سے مانگتا ہوں اب میری عرض یہ ہے کہ بوقت موت، عذاب سے محفوظ رکھنا اور بوقت حساب، بے عتاب راحت عطا فرمانا۔" آپ کا معمول تھا کہ اس دعا میں رات گزار دیتے اور برابر آہ وفغاں میں مشغول رہا کرتے تھے۔

اپنے رب کے حضور گریہ وزاری کا عجب انداز:

ایک رات میں نے عرض کیا۔ اے میرے اور میرے ماں باپ کے آقا! یہ گریہ زاری کا اور سینہ فگاری کا سلسلہ کب تک جاری رہے گا؟ آپ نے فرمایا: اے دوست! حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک فرزند حضرت یوسف علیہ السلام نظروں سے روپوش ہوئے تھے، اس پر وہ اتنا روئے تھے کہ ان کی آنکھوں کی بصارت جاتی رہی تھی اور آنکھیں سفید ہوگئی تھیں لیکن میرے آباء واجداد کے خاندان کے اٹھارہ نفوس حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی رفاقت میں میدان کربلا کے اندر گم ہوئے ہیں۔ یہ غم کیا اس سے کچھ کم ہے۔ میں ان کے غم وفراق میں اپنے رب کے حضور فریاد کر کے کیوں آنکھیں سفید نہ کروں؟

یہ مناجات عربی میں بہت فصیح ہے۔ طوالت کے لحاظ سے صرف ترجمہ پر اکتفا کیا۔ (اُردو ترجمہ کشف المحجوب صفحہ ۱۲۱ مفتی سیّد غلام نعیم الدین معین)

☆☆☆

عصر حاضر کے نامور محقق اور استاذ آبروئے مسند تدریس شیخ الحدیث علامہ پیر محمد چشتی رقمطراز ہیں:

"پیشوائے واصلان این راہ و سر کردہ اینھا و منبع فیض این بزر گواران حضرت علی مرتضٰی است کرم اللہ تعالٰی وجھہ الکریم و این منصب عظیم الشان بایشان تعلق دارد درین مقام گونیا ھر دو قدم مبارک آن سرور علیہ و علی الہ الصلٰوۃ والسلام بر فرق ممبارک اوست کرم اللہ تعالٰی وجھہ حضرت فاطمہ و حضرات حسنین درین مقام با ایشان شریك اندائگارم کہ حضرت امیر قبل از نشاء عنصری نیز ملا ذو ملجاء این مقام بودہ اند چنانئہ بعد از نشاء عنصری و ھر کر افیض و ھدایت ازین راہ می رسید بتوسط ایشان می رسید چہ ایشان نزد نقطہ منتھائے این راہ اند و مر کز این مقام با ایشان تعلق دارہ وچون دورہ حضرت امیر تمام شد این منصب عظیم القدر بحضرات حسنین ترتیبًا مفوض و مسلم گشت و بعد از ایشان ھمان منصب بھریکی از ائمہ اثنا عشر علی الترتیب والتفصیل قرار گرفت و در اعصار این بزر گواران و

همئنین بعد از ارتحال ایشان هر کر افیض و هدایت
میر رسید بتوسطه این بزر گواران بوده"

اس کا مفہوم یہ ہے کہ راہ حق تک پہنچنے والے اہل حق کا پیشوا و سرکردہ اور ان بزرگوں کے فیض کا منبع حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں اور روحانیت کے مرکز ہونے کا یہ عظیم الشان منصب ان کے ساتھ متعلق ہے گویا روحانیت کے اِس مقام پر سرورِ کائنات ﷺ کے دونوں قدم مبارک حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے سر پر ہیں اور اس مقام عظمت میں حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم بھی ان کے ساتھ شریک ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر المؤمنین (علی) رضی اللہ عنہ اپنے جسد عنصری کی پیدائش سے پہلے بھی مقام روحانیت کے اِس رتبے پر ایسے ہی فائز تھے جیسے جسد عنصری میں آنے کے بعد تھے اور جس کو روحانیت کا فیض ملتا ہے ان ہی کے واسطہ سے ملتا ہے کیونکہ یہ دنیائے روحانیت کے نقطہ منتہا ہیں اور مقام روحانیت کے مرکز کا تعلق ان کے ساتھ ہے اور حضرت امیر المؤمنین کی ظاہری حیات کا دورانیہ ختم ہونے کے بعد روحانیت کا یہ عظیم القدر منصب بالترتیب حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کو سپرد ہوا اور ان کے بعد ائمہ اہل بیت نبوت کے بارہ اماموں کو بالترتیب سپرد ہوتا رہا اور ان حضرات کی حیات ظاہری میں بھی اور وفات کے بعد بھی جس کو بھی کوئی روحانیت وفیض ملا ہے وہ سب کچھ اِن مقدس حضرات کے واسطہ سے ہے۔

باقر العلوم والخیرات وارث علوم نبوت و ولایت جانشین سیّد الساجدین حضرت سیّدنا امام محمد باقر علیہ السلام کو معاذ اللہ شیعہ مذہب کا امام قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ''عمدۃ التحقیق۔'' ص ۲۶

محترم قارئین! سب سے پہلے چند حوالہ جات اکابر اہل سنت کی کتب سے ملاحظہ فرمائیں تاکہ حقائق اجاگر ہوں اور ریکارڈ درست رہے کہ حضرت سیدنا امام محمد باقر رضی اللہ عنہ شیعہ کے امام نہیں بلکہ اہل سنت کے ہادی و مقتدا ہیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام۔ عادات و معمولات:

شیخ الاسلام احمد بن حجر الشافعی المکی (متوفی ۹۷۴ھ) فرماتے ہیں:

ابو جعفر محمد الباقر علم و زہد اور عبادت میں آپ (سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ) کے وارث ہوئے۔ آپ کا نام باقر اس لئے رکھا لیا ہے کہ بقر زمین کو پھاڑنے اور اس کی پوشیدہ چیزیں نکالنے کو کہتے ہیں۔ آپ نے احکام الٰہیہ کے اندر جو حقائق و معارف کے خزانے پوشیدہ ہیں انہیں نمایاں کیا

ہے اور ان کی حکمتیں اور لطائف بیان کئے ہیں۔ وہ خزانے بے بصیرت اور بد باطن لوگوں پر مخفی رہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کو باقر اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آپ نے علم کو پھاڑا۔ اسے جمع کیا اور اس کے جھنڈے کو بلند کیا ہے۔ آپ پاک نفس، صاف دل، بڑے صاحب علم و عمل اور صاحب شرف تھے۔ آپ کے اوقات اطاعت الٰہی سے معمور تھے۔ آپ کو عارفین کے مقامات میں وہ علامات حاصل ہیں جن کی صفت کے بیان سے زبانیں درماندہ ہیں۔ سلوک و معارف میں آپ کے بہت سے کلمات ہیں۔ یہ کتاب ان کے بیان کا متحمل نہیں ہوسکتا اور آپ کے لئے یہی شرف کافی ہے کہ ابن المدینی نے جابر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے آپ کو بچپنے میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ آپ کو سلام کہتے ہیں۔ آپ سے پوچھا گیا کہ یہ بات کیسے معلوم ہوئی۔ کہنے لگے میں رسول کریم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی گود میں تھے اور آپ ان کو کھلا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا جابر! حسین کے ہاں ایک بچہ ہوگا جس کا نام علی ہوگا۔ جب قیامت کے روز منادی کرنے والا کہے گا کہ سید العابدین کھڑا ہو جائے تو آپ کا لڑکا کھڑا ہو جائے گا پھر اس کے ہاں ایک لڑکا ہوگا اس کا نام محمد ہوگا۔ اے جابر! اگر تو اس کا زمانہ پائے تو اسے میرا سلام کہنا۔ آپ کی وفات اٹھاون سال کی عمر میں اپنے باپ کی طرح زہر خورانی سے ہوئی۔ آپ ماں اور باپ کی طرف سے علوی ہیں اور آپ کی تدفین جنت البقیع میں حضرت سیدنا امام حسن اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے گنبد میں ہوئی ہے۔ آپ نے چھ

لڑکے پیچھے چھوڑے جو بڑے صاحب فضل وکمال تھے۔

(الصواعق المحرقہ: ص ۴۶۳، ترجمہ: علامہ اختر فتح پوری)

آئمہ اہل بیت کے پانچویں امام:

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت محمد بن علی بن حسین (امام محمد باقر علیہ السلام) بارہ ائمہ میں سے پانچویں امام ہیں۔ آپ کی کنیت ابوجعفر اور لقب باقر ہے۔ آپ کے لقب باقر ہونے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ مختلف علوم میں وسعت نظر کے مالک تھے اور انہیں خوب فصاحت و بلاغت سے بیان فرماتے۔ آپ کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی فاطمہ تھا جو حضرت حسن بن علی کی صاحبزادی تھیں۔ آپ مدینہ طیبہ میں ۳ صفر المظفر بروز جمعہ ۵۷ ہجری کو پیدا ہوئے اور ۱۱۴ ہجری میں وصال ہوا۔ آپ کی قبر شریف جنت البقیع میں اپنے والد گرامی حضرت امام زین العابدین کے پہلو میں موجود ہے۔

سیدنا امام محمد باقر علیہ السلام کی پیشین گوئی ونورِ بصیرت:

آگے چل کر عشاق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امام حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی کمال محبت اور وارفتگی کے عالم میں امام محمد باقر علیہ السلام کا ذکر خیر کرتے ہوئے پختہ یقین کے ساتھ رقمطراز ہیں اور حضرت کی پیشین گوئی یوں بیان کرتے ہیں:

ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت امام باقر علیہ السلام مدینہ طیبہ میں چند

آدمیوں کے ہمراہ بیٹھے تھے کہ آپ نے اپنا سر مبارک نیچے جھکا لیا اور پھر سر مبارک اوپر اٹھا کر فرمایا:

''تمہاری حالت یہ ہوگی کہ کسی وقت کوئی شخص مدینہ میں چار ہزار افراد کے ہمراہ آ کر تین دن مسلسل قتل و غارت کرے گا۔ پھر قتل کرنے والوں کو قتل کرے گا اور تمہارے لیے انتہائی مصائب پیدا کرے گا جس کا حل تمہارے بس سے باہر ہوگا۔ یہ بات یقین سے تسلیم کرو۔''

لیکن مدینہ والوں نے آپ کی باتوں پر کان نہ دھرا اور چند افراد کے بغیر سب نے کہا:

''ایسا کبھی بھی نہیں ہوسکتا۔''

بنی ہاشم کو اس بات کا علم تھا کہ آپ جو کہہ رہے ہیں حقیقت پر مبنی ہے۔ چنانچہ اگلے سال حضرت امام باقر علیہ السلام تمام بنی ہاشم کے ہمراہ مدینہ سے باہر چلے گئے ازاں بعد نافع الادزق مدینہ میں آیا اور اس نے وہی کچھ کیا جو آپ نے ایک سال قبل فرما دیا تھا۔

اس واقعہ کے بعد مدینہ والوں نے کہا کہ اب حضرت امام باقر جو بھی فرمائیں گے ہم ان کے ارشاد کی تعمیل کریں گے کیونکہ یہ اہل بیت سے ہیں اور جو کچھ بھی ارشاد فرماتے ہیں وہ سچ ہوتا ہے۔

(اہل بیت اطہار کے بارہ امامین کریمین کا تذکرہ ص ۹۸-۱۲۳)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سیّدنا امام محمد باقر کے حضور میں حاضر ہیں

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شجرۂ طریقت میں حضرت سیدنا امام محمد باقر علیہ السلام اور ان کے والد گرامی کا ذکر خیر یوں فرماتے ہیں:

سید سجاد کے صدقے میں ساجد رکھ مجھے
علم حق دے باقر علم ہُدیٰ کے واسطے

(شجرہ قادریہ رضویہ: مطبوعہ بریلی شریف، انڈیا)

صدر الشریعہ کی گواہی:

حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''اہل بیت نبوت رضی اللہ عنہم مقتدیانِ اہل سنت ہیں جو ان سے محبت نہ رکھے مردود وملعون خارجی ہے۔''

(بہار شریعت، حصہ اول عقیدہ نمبر ۱۷)

حضرت حکیم الامت نعیمی کا خراج عقیدت:

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی سالک رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ حضرت سیدہ طیبہ خاتون جنت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں اہل بیت نبوت علیہم السلام سے متعلق لکھتے ہیں:

وہ عترت جو کہ امت کے لئے قرآن ثانی ہے
نبیؐ کا ہے چمن یعنی شجر اس پاک بنت کا

(رسائل نعیمیہ: ص ۳۴)

مرکزِ تحقیق کے میزان پر:

اردو دائرۂ معارف اسلامیہ نے اپنی جلد نمبر ۱۹ میں آپ کے متعلق لکھا ہے کہ ''محمد بن علی: (ابو جعفر باقر علیہ السلام) حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے پوتے۔ ان کی کنیت ابو جعفر تھی۔ اپنے علم و فضل کی وجہ سے وہ الباقر (محقق) کے اعزازی لقب یا نام سے مشہور تھے۔ علم حدیث میں ان کو سند مانا جاتا تھا اور ان کے چند متبرک مقولے بھی مشہور ہیں۔ انہیں اس کے ساتھ ہی اپنے خاندان کے مخصوص شوق کی وجہ سے حاشیہ ریشمیں لباس اور رنگ بہت پسند تھے۔ یہ ظلم ہے کہ شیعی گروہ کے لوگوں نے ان کو ان کے خاندان کے دیگر افراد کی طرح امام مشہور، صبر اور سکون کے ساتھ مدینہ منورہ ہی میں قیام فرما رہے۔ انہوں نے سیاست میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ گو ان کا ہر طرح احترام کیا جاتا تھا، جیسا کہ عمر ثانی کی مثال سے ظاہر ہے۔ المغیرہ اور بیان ایسے کٹر قسم کے شیعہ کھلم کھلا طور پر ان کی امامت سے انکاری تھے۔''

حضرت نقشبندی صاحب کو اب بھی اگر تسلی نہیں ہوئی تو لگے ہاتھوں امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں قادری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتاویٰ ہی دیکھ لیں۔ آپ سے پوچھا گیا۔

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے استفتاء اور اس کا جواب:

از ضلع سیتا پور محلہ قضیارہ مرسلہ الیاس حسین ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

بارہ امام جن کے نام عوام میں مشہور ہیں ان مین باستثنائے جناب امام علی

مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما و حضرت امام مہدی کے کسی اور امام کی نسبت صحیح حدیثوں میں اشارہ یا صراحۃً کوئی خبر آئی ہے؟ امامت ان کی ولایت کے درجے پر ماننا چاہیئے۔ ان کے عقائد و احکام و اعمال وغیرہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کے مشابہ تھے یا سب سے الگ؟ یہ خود مجتہد تھے یا مقلد؟ بعض اعمال و جفر وغیرہ کی کتابوں میں ان کے اقوال ملتے ہیں یہ کہاں تک صحیح ہیں؟ بعض کا یہ اعتراض ہے کہ صحاح کی کتابوں میں ان کی روایتیں بہت کم لی گئی ہیں حالانکہ ان کا خاندانی علم تھا ان سے زیادہ دوسرے کو کہاں تک واقفیت ہو سکتی ہے اہل سنت کی کتابوں میں ان کے حالات کو لکھنے کی کیا وجہ ہے۔ اعلیٰ حضرت نے جواباً ارشاد فرمایا۔

الجواب:

"امام باقر رضی اللہ عنہ کی بشارت بتصریح نام گرامی صحیح حدیث میں ہے۔ جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر فرمایا کہ اُن سے ہمارا اسلام کہنا۔

حضرت جابر انصاری رضی اللہ عنہ اور سیدنا امام محمد باقر علیہ السلام:

سیدنا امام محمد باقر علیہ السلام طلبِ علم کے لئے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے انہوں نے ان کی غایت تکریم کی اور کہا:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یسلم علیك

(تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۶۹۰۱ محمد بن علی بن حسین۔ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵۷/۲۱۶و۲۱۵)

''رسول اللہ ﷺ آپ کو سلام فرماتے ہیں۔'' اور

اخرج منکما الکثیرا الطیب

(بہ اشریعۃ باب فی مناقب السبطین وامہما وآل البیت دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۴۱۱)

''اللہ تعالیٰ تم دونوں کو کثیر، پاکیزہ اولاد عطا فرمائے۔''

میں ان سب حضرات کی بشارت ہے۔ امامت اگر بمعنی مقتدی فی الدین ہوئے کے ہے تو بلاشبہ ان کے غلام اور غلاموں کے غلام مقتدی فی الدین ہیں، اور اگر اصطلاح مقامات ولایت مقصود ہے کہ ہر غوث کے دو وزیر ہوتے ہیں عبدالملک و عبدالرب، انہیں امامین کہتے ہیں، تو بلاشبہ یہ سب حضرات خود غوث ہوئے۔ اور اگر امامت بمعنی خلافتِ عامہ مراد ہے تو وہ ان میں صرف امیر المؤمنین مولیٰ علی و سیدنا امام حسن مجتبیٰ کو ملی اور اب سیدنا امام مہدی کو ملے گی وبس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، باقی جو منصب امامت ولایت سے بڑھ کر ہے۔ وہ خاصۂ انبیاء علیہم السلام ہے جس کو فرمایا:

انی جاعلك للناس اماما (القرآن الکریم: ۲/۱۲۴)

''میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔''

وہ امامت کسی غیر نبی کے لئے نہیں مانی جاسکتی۔

اطیعوا اللہ واطیعوا السول وولی الامر منکم

(القرآن الکریم: ۴/۵۹)

''حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت کرنے والے ہیں۔''

ہر غیر نبی کی امامت اولی الامر منکم تک ہے جیسے فرمایا:

وجعلنهم ائمة یهدون بامرنا (القرآن الکریم: ۷۳/۲۱)

''اور ہم نے انہیں امام کیا کہ ہمارے حکم سے بلاتے ہیں۔''

مگر اطیعو الارسول کے مرتبہ تک نہیں ہو سکتی۔ اس حد پر ماننا جیسے روافض مانتے ہیں صریح ضلالت و بے دینی ہے۔

امام جعفر صادق تک بلاشبہ سب آئمہ مجتہدین ہیں

امام جعفر صادق علیہ السلام تک تو بلاشبہ یہ حضرات مجتہدین و آئمہ مجتہدین تھے اور باقی حضرات بھی غالباً مجتہد ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ نظر بظاہر ہے ورنہ باطنی طور پر کوئی شک کا مقام نہیں کہ یہ سب حضرات عین الشریعۃ الکبریٰ تک واصل تھے، جو بسند صحیح ثابت یا کسی فقہ معتمد کی نقل ہے اس کا ثبوت مانا جائے گا ورنہ مجاہیل یا عوام یا ایسی کتاب کی نقل جو رطب و یابس سب کی جامع ہوتی ہے کوئی ثبوت نہیں۔ صحاح میں صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی روایات بھی بہت کم ہیں، رحمت الٰہی نے حصے تقسیم فرما دیئے ہیں کسی کو خدمت الفاظ، کسی کو خدمت معانی، کسی کو تحصیل مقاصد، کسی کو ایصال الی المطلوب، نہ ظاہری روایت کی کثرت وجہ افضلیت ہے نہ اس کی قلت وجہ مفضولیت۔ صحیحین میں امام احمد سے صدہا احادیث ہیں اور امام اعظم و امام شافعی سے ایک بھی نہیں، اور باقی صحاح میں اگر ان سے ہیں بھی تو بہت شاذ و نادر، حالانکہ امام احمد امام شافعی کے شاگرد ہیں اور امام شافعی امام اعظم کے شاگردوں کے شاگرد رضی اللہ عنہم، بلکہ امام احمد کا منصب بھی بہت

ارفع و اعلیٰ ہے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ربع اسلام کہا ہے۔ ہزاروں محدثین جو فقیہ تک نہ تے اُن سے جتنی رویات صحاح میں ملیں گی صدیق و فاروق بلکہ خلفائے اربعہ سے اس کا دسواں حصہ بھی نہ ملے گا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ یہ محض غلط و افتراء ہے کہ ان کے احوال اہل سنت کی کتابوں میں کم ہیں، اہل سنت کی جتنی کتابیں بیانِ حالاتِ اکابر میں ہیں سب ان پاک مبارک محبوبان خدا کے ذکر سے گونج رہی ہیں اور خود ان کے ذکر میں مستقل کتابیں ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ: ۲۶۔ صفحہ ۴۳۰ تا ۴۳۲)

نقشبندی صاحب توجہ فرمائیں:

اب ہم ان حوالہ جات کے بعد پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ کیا نقشبندی صاحب اس امر کا جواب مرحمت فرمائیں گے کہ ان کی ''راگنی'' درست ہے یا اکابر اہل سنت مثلاً مولانا عبدالرحمٰن جامی، ابن حجر الشافعی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی، صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہم کی تحقیق پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

یقیناً جواب اکابر اہل سنت کے اجتماعی رائے کے ایجاب وقبول کے حق میں ہوگا۔

لہٰذا ...... ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ جناب مولانا محمد عظیم نقشبندی اپنے موقف سے رجوع کر کے اعلانیہ وضاحت جاری فرمائیں تا کہ اہل سنت گمراہ نہ ہوں اور ریکارڈ بھی درست ہو جائے۔

وما توفیقی الا باللہ

زبدۃ التحقیق کی تائید اور عمدۃ التحقیق کے رد میں لکھی گئی مسلمہ کتاب

انوارِ تحقیق

حقائق کی تہہ تک پہنچنے اور نفس مسئلہ کی تفہیم کے لیے

زبدۃ التحقیق کا مطالعہ بہت ضروری ہے

امام محمد بن الطیب بن جعفر باقلانی

(۳۳۸ھ/۹۵۰ء تا ۴۰۳ھ/۱۰۱۳ء)

محققین کی جماعت اس پر متفق ہے کہ علامہ باقلانی بہر حال شیعہ نہ تھے۔ مناسب لگتا ہے کہ نمونہ کے طور پر دو مید علمی و تحقیقی آرا قارئین کی خدمت میں نذر کر دوں۔

الباقلانی: محمد بن الطیب بن جعفر (۳۳۸ھ/۹۵۰ء تا ۴۰۳ھ/۱۰۱۳ء)، الاصولی، البصری، اقامت وسکونت کی وجہ سے بغدادی: ابوبکر بن مالک القطیعی، ابومحمد بن ماسی (البدایۃ) اور ابو احمد الحسین بن علی النیشا پوری سے (تبین) حدیث سنی اور علم النظر ابو عبداللہ بن مجاہد الطائی سے سیکھا۔ (شذرات)

اکثر سیرت نگاروں کے نزدیک وہ مالکی مسلک رکھتے تھے، لیکن امام ابن کثیر نے انہیں ایک جگہ تو شافعی المذہب متکلمین کا سردار کہا ہے اور دوسری جگہ تعجب کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ وہ فتویٰ لکھتے ہوئے اپنے آپ کو حنبلی المذہب ☆ لکھتے تھے۔ (البدایۃ)

بغداد کی جامع المنصور میں ان کا حلقہ درس بہت بڑا تھا۔ (الدیباج)

وہ بڑے متبحر عالم اشاعرہ میں نمایاں اور ممتاز شخصیت کے حامل تھے۔ انہوں نے مقدمات عقلیہ وضع کیے اور امام الاشعری کی بحثوں کو مرتب

کیا، اثبات توحید کے لئے عقلی دلائل قائم کیے۔ (حیاۃ ابن تیمیہ)

جوہر و عرض پر بحث کی اور بتایا کہ عرض کا قیام عرض سے نہیں بلکہ جوہر سے ہے اور یہ کہ عرض کی بقا دو زمانوں میں نہیں ہو سکتی۔ علاوہ ازیں انہوں نے دلائل عقلیہ کو عقائد ایمانیہ کے لیے قواعد و معیار ٹھہرایا۔

(تاریخ الفکر العربی)

اور اس طریق استدلال کو اوج کمال تک پہنچایا جس کی بدولت نظری اور دینی علوم کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ (ابن خلدون: مقدمہ)

الباقلانی علم کلام کے امام ہیں۔ انہوں نے مسئلۂ بقا کے بارے میں امام الاشعری سے اختلاف کیا اور بقا کو ذات الٰہی سے الگ صفت تسلیم نہیں کیا۔ (فیصل التفرقۃ)

وہ نہایت ذکی اور ذہین تھے۔ (البدایۃ)

اور روایت حدیث میں ثقہ تسلیم کیے گئے۔ (تبیین، ص ۲۱۷)

بقول امام ابن تیمیہ "وہ اشاعرہ میں افضل المتکلمین تھے؛ ان میں ایسا شخص نہ تو کوئی پہلے ہوا، نہ بعد میں"۔ (العقیدۃ الحمویۃ)

وہ اپنے فن میں یگانۂ روزگار تھے۔ (الوافی)

قاضی عیاض نے انہیں سیف السنۃ اور لسان الامۃ لکھا ہے اور بتایا

☆ ویسے ایسے اہل علم بھی گزرے ہیں جو عوام کی رعایت سے ان کی فقہ پر فتویٰ صادر فرما دیتے تھے مثلاً خود حنابلہ میں سے ہیں تو شوافع کے مطابق فتویٰ جاری کر دیں یا حنفی ہیں تو مالکیہ کے مطابق فتویٰ دے دیا یہ کوئی عیب کی بات نہیں بلکہ علمی رائے ہے اور دلیل مضبوط ہو تو تسلیم کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ (سید محمد انور حسین کاظمی)

ہے کہ انہوں نے کلام و دلائل میں مذہب اہل حدیث اور طریق امام الاشعری کو اپنایا۔ ان کے بارے میں حسب ذیل تعریفی کلمات استعمال کیے گئے: اہل بصرہ میں سے امام وقت اور علمائے مالکیہ کے سرخیل (الدیباج)؛ جلیل القدر امام (الذہبی)؛ عظیم الشان مناظر (عیاض)؛ ناصر السنۃ، امام المسلمین (ابو الفضل التمیمی)؛ چوتھی صدی کے مجدد (شذرات)؛ سنت کی بڑی نصرت اور معتزلیوں کا قلع قمع کیا۔ (الدارقطنی، بحوالۂ تبیین)

ایک دن امام الدارقطنی نے الباقلانی کا منہ چوم لیا اور دعا دیتے ہوئے کہا: یہ اہل الاھواء کا رد کرتا ہے۔ (البدایۃ)

علمی فضائل کے ساتھ ان کے زہد و تقویٰ، ریاضت و عبادت اور صیانت و دیانتداری کی بھی تعریف کی جاتی ہے۔ (ابن عساکر؛ ابن العماد)

الباقلانی سفر و حضر میں ہمیشہ رات کے وقت بیس رکعتیں ادا کیا کرتے اور اس کے بعد قوت حافظہ کی مدد سے پینتیس ورق روزانہ لکھا کرتے تھے۔ (الدیباج)

علم کلام میں وہ صاحب تصنیف تھے۔ (الوافی)

ان کی کتاب تمہید (ص ۲۵۷ ببعد) میں بروایت الصدفی باون کتابوں کے نام محفوظ کیے گئے ہیں اور اعجاز القرآن (طبع صقر) میں پچپن کتابوں کے۔ بقول ابو الفضل التمیمی انہوں نے ملحدین کے رد میں ستر ہزار ورق لکھے۔ (بحوالۂ اعجاز القرآن)

فصاحت و بلاغت میں ان کا جواب نہ تھا۔ (البغدادی؛ ابن عساکر)

استنباط مسائل میں مہارت رکھنے کے علاوہ وہ بڑے حاضر جواب، تیز فہم اور نڈر تھے اور اپنے مخالفین سے بڑی شدت اور تحدی سے پیش آتے۔ (ابن خلدون: مقدمہ)

عضد الدولۃ دیلمی کے دربار میں معتزلہ سے ان کے مناظروں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ عضد الدولہ نے انہیں سفیر بنا کر شاہ روم کے پاس قسطنطنیہ بھیجا اور وہاں عیسائی پادریوں سے شاہ باسیلیوس ثانی کے دربار میں بڑے کامیاب مناظرے ہوئے۔

(قاضی عیاض، بحوالہ تمہید، ص ۲۴۶ بعد؛ ابن الاثیر ۹:۱۱)

الباقلانی کی علمی و تصنیفی خدمات:

ان کی تصانیف میں (۱) اعجاز القرآن زیادہ مشہور ہے، جو کئی مرتبہ طبع ہو چکی ہے۔ سید احمد صقر کی تحقیق والی مصری طبع بہت پسندیدہ ہے؛ (۲) التمهيد في الرد على الملحدة المعطلة والرافضة والخوارج والمعتلة (طبع محمود الخضیر ی و محمد عبدالہادی ابو ریدہ، دارالفکر العربی، قاہرہ ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء۔ اس طبع کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں قاضی عیاض کی کتاب ترتیب المدارک (مخطوطہ) سے الباقلانی کے مفصل حالات نقل کر دیئے گئے ہیں۔ الوافی (۳:۱۷۷) میں التمہید کا نام الرد على الرافضة والمعتزلة والخوارج والجهمية لکھا ہے۔ بعض نے اس کا نام تمهيد الدلائل بھی لکھا ہے۔ میکارتھی نے مصنف کتاب کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور بڑی تحقیق کے بعد اسے کتاب التمہید کے نام سے طبع کیا ہے۔ (بیروت ۱۹۵۷ء) اور جو حصے

طبع قاہرہ میں موجود نہ تھے، اس نے وہ بھی اس طبع میں شامل کر لیے ہیں۔
عبدالرزاق حمزہ نے پہلی طبع پر ایک چھوٹی سی کتاب میں تبصرہ بھی کیا ہے؛
(۳) کتاب الانصاف فی اسباب الخلاف، طبع محمد زاہد الکوثری، قاہرۃ
۱۳۶۹ھ۔ دراصل یہ کتاب رسالۃ الحرۃ ہے اور کسی غلط فہمی سے موجودہ نام
اس پر چسپاں کر دیا گیا ہے۔ مفصل بحث کے لئے دیکھیے اعجاز القرآن، طبع
سید احمد صقر، ص ۵۱ بعد؛ (۴) کتاب البیان عن الفرق بین المعجزات
والکرامات (طبع میکارتھی)، بیروت ۱۹۵۸ء؛ (۵) کتاب الاصول الکبیر
فی الفقہ؛ (۶) کتاب اکفار المتاولین؛ (۷) کتاب الاستشھاد؛ (۸)
کتاب الابانۃ عن ابطال مذھب اھل الکفر والضلالۃ؛ (۹) ھدایۃ
المسترشدین؛ (۱۰) الانتصار فی نقل القرآن، جس کا نام بعض نے
الانتصار لحصۃ نقل القرآن لکھا ہے (مخطوطۂ استانبول)۔ بعض نے اسے
الاستبصار بھی لکھا ہے، جو درست نہیں؛ (۱۱) کتاب الامامۃ الکبیرۃ؛ (۱۲)
مناقب الائمہ (مخطوطۂ دمشق)؛ (۱۳) کشف الاسرار و ھتك الاستار فی
الرد علی الباطنیۃ، جسے ابن کثیر نے الباقلانی کی بہترین تصنیف قرار دیا ہے
(البدایۃ)؛ (۱۴) دقائق الکلام، یا دقائق الحقائق (البدایۃ) وغیرہ۔

الباقلانی نے بروز ہفتہ، ۲۳ ذوالقعدہ ۴۰۳ھ وفات پائی۔ (الدیباج)
اور اپنے گھر کے اندر دفن کیے گئے، لیکن بعد میں باب حرب کے
قبرستان میں منتقل کر دیا گیا۔ (البدایۃ)

الباقلانی کی اعجاز القرآن عربی زبان میں اپنے موضوع پر اہم

کتاب ہے۔ مصنف نے اعجاز کو مختلف زاویوں سے پرکھا ہے اور قرآن مجید کے اسلوب بیان پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ کس حد تک ادبی تنقید کے ذریعے ہم اعجاز قرآن کے اسرار کو سمجھ سکتے ہیں۔ اس کے مخاطب وہ اصحاب علم و ادب ہیں جن کو عربیت میں بڑا ملکہ حاصل ہے اور جو کلام کے محاسن و اسالیب سے بخوبی واقف ہونے کے علاوہ متکلمین کے انداز و آداب اور اصول دین سے بھی آگاہی رکھتے ہیں۔

اعجاز قرآن نبوت محمدی کی سب سے بڑی دلیل:

مصنف کا دعویٰ ہے کہ اعجاز قرآن نبوت محمدی ﷺ کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کا ادبی اعجاز خود اس امر پر شاہد عادل ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی تحدی کے باوجود کوئی انشا پرداز قرآن مجید کی ایک آیت کی بھی نظیر پیش نہیں کر سکا۔ اس کے علاوہ الباقلانی نے یہ واضح کیا ہے کہ قرآن مجید میں غیب کی ایسی خبریں ہیں جو علم رسمی کی دسترس سے باہر ہیں اور ان کا سرچشمہ صرف الہام ہی ہو سکتا ہے۔

قرآن کی معجزانہ فضیلت:

لہٰذا یہ بھی قرآن مجید کی معجزانہ فضیلت ہے کہ پیدائش آدم علیہ السلام سے لے کر بعثت محمدی ﷺ تک کے اہم واقعات اور عظیم الشان امور کا اجمالی ذکر قرآن مجید نے پوری صحت کے ساتھ کیا ہے۔ قرآن مجید کا

اسلوب بیان بھی بہت بڑا معجزہ ہے۔

فصاحت و بلاغت میں قرآن کی مثل کوئی کتاب نہیں:

انہوں نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی کتاب نہیں جو جامعیت، اسلوب، فصاحت و بلاغت، لطافت معانی، فوائد جلیلہ اور حکم کثیرہ میں قرآن کا لگا کھا سکے۔ قرآن مجید کے الفاظ، جملے، آیات کا آغاز و اختتام، صوتی زیر و بم، معانی و مطالب، ترتیب اور نظم و نسق عبارت سبھی اپنی اپنی جگہ معجزہ ہیں۔ بلاغت کے سلسلے میں الباقلانی کا ایک خاص تنقیدی مسلک ہے، جس کی تشریح فن بلاغت و اعتقاد کے ماہرین نے اپنی اپنی کتابوں میں کی ہے۔ (رک بہ البلاغۃ؛ نیز دیکھیے دیباچۂ اعجاز القرآن، طبع صقر)

مآخذ: (۱) الخطیب البغدادی: تاریخ بغداد، قاہرہ ۱۳۴۹ھ، ۵: ۳۷۹؛ (۲) الصفدی: الوافی بالوفیات، دمشق ۱۹۵۳ء، ۳: ۱۷۷؛ (۳) ابن فرحون: الدیباج، ص ۲۶۷-۲۶۸؛ (۴) ابن الاثیر: اللباب فی معرفۃ الانساب، طبع وسنفلت، ۱۹۳۵ء؛ (۵) وہی مصنف: الکامل، مطبوعۂ لائڈن، ۹: ۱۱؛ (۶) ابن کثیر: البدایۃ والنہایۃ، ۱۱: ۳۵۰ تا ۳۵۱، مطبعۃ السعادۃ، مصر؛ (۷) ابن العماد: شذرات، قاہرہ ۱۳۵۰ھ، ۳: ۱۶۸ تا ۱۶۹؛ (۸) ابن خلدون: مقدمہ (الفصل العاشر: علم الکلام)، ص ۴۶۵، مطبعۃ مصطفیٰ محمد، مصر؛ (۹) ابن تیمیہ: العقیدہ الحمویۃ الکبری، قاہرہ ۱۳۲۲ھ، ص ۴۵۲؛ (۱۰) ابن عساکر: تبیین کذب المفتری، دمشق ۱۳۴۷ھ، ص ۲۱۷

تا ۲۲۶؛ (۱۱) ابو ہرہ: حیاۃ شیخ الاسلام ابن تیمیۃ (اردو ترجمہ رئیس احمد جعفری)، المکتبۃ السلفیۃ، لاہور ۱۹۶۱ء (بامداد اشاریۃ)؛ (۱۲) الخوانساری: روضات الجنات، تہران ۱۳۰۷ھ؛ (۱۳) الزرکلی: الاعلام (مادہ: محمد) (۱۴) عمر فروخ: تاریخ الفکر العربی، بیروت ۱۹۶۲ء، ص ۳۷۳-۳۷۴؛ (۱۵) قاضی عیاض: ترتیب المدارک وتقریب المسالک (طبقات الفقہاء المالکیۃ)، مخطوطہ، بحوالۂ التمہید، قاہرہ ۱۹۴۷ء ص ۲۴۱ بعد؛ (۱۶) الغالی: فیصل التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ، ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء؛ (۱۷) ایز میرلی اسمٰعیل حقی: مجلۃ دارالفنون (ترکی)، الٰہیات فاکولتہ سی مجموعہ سی، ایکنجی سنہ، بشنجی و آلتنجی صابی ۱۳۷ تا ۱۷۲۔ (دائرۃ المعارف الاسلامیہ۔ جلد۳)

☆☆☆

ار، رائرۂ معارف اسلامیہ کا ''ادارۂ تحریر'' یہ ہیں۔

ر، مز سید محمد عبداللہ، ایم اے، ڈی لٹ.......... رئیس ادارہ

جبکہ معاونین یہ ہیں:

ڈاکٹر محمد نصر اللہ احسان الٰہی رانا، ایم اے، پی ایچ ڈی (پنجاب)، پی ایچ ڈی (کینٹ)، سید محمد امجد الطاف، ایم اے (پنجاب)، سید نذیر نیازی، ایم اے (پنجاب)، عبدالمنان عمر، ایم اے (علیگ)، پروفیسر عبدالقیوم، ایم اے (پنجاب)، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، ایم اے (پنجاب)

۱۔ از ۱۲ جولائی ۱۹۶۳ء تا ۳۱ دسمبر ۱۹۶۷ء، ۲۔ از ۱۵ جنوری ۱۹۶۸ء

☆☆☆

باقلانی..........ایک تعارف

باقلانی (338ھ/950ء۔ 430ھ/ 1013ء) محمد بن طیب بن جعفر ایک بڑے عالم دین اور علم الکلام کے امام، بصرہ میں پیدا ہوئے لیکن بغداد میں سکونت اختیار کی۔ ابوبکر بن مالک القطیعی۔ ابومحمد بن ساعی اور ابواحمد الحسین بن علی النیشا سے حدیث کی سماعت کی۔ ابوعبداللہ بن مجاہد الطائی سے علم النظر کی تحصیل کی۔ بغداد کی جامع المنصور میں انہوں نے بہت بڑا حلقہ درس قائم کیا۔ مسلک کے لحاظ سے حنبلی تھے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے شافعی اور بعض نے مالکی بھی لکھا ہے۔

اشاعرہ میں باقلانی کا مرتبہ:

باقلانی کو اشاعرہ میں بہت اونچا مقام حاصل تھا۔ انہوں نے امام الاشعری کے مباحث کو مرتب کیا اور مقدمات عقلیہ وضع کئے اور دلائل عقلیہ کو عقائد ایمانیہ کے لئے معیار ٹھہرایا۔ اس طریق استدلال کو کمال کی بلندی تک پہنچایا۔ اس طریق استدلال کی وجہ سے نظری اور دینی علوم کو بڑا عروج حاصل ہوا۔

معتزلہ کے رد میں باقلانی کی خدمات:

باقلانی نے معتزلہ کے رد میں حدیث کی بہت خدمت کی ہے۔ نیز علم الکلام پر کتابیں لکھی ہیں۔ انہیں استنباط مسائل میں بڑی مہارت تھی۔ حاضر جوابی اور زود فہمی ان کی خاص صفات تھیں۔ عضد الدولہ کے دربار میں معتزلہ سے ان کے مناظروں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔

(اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔ (اول)۔ سید قاسم محمود۔ 339)

باقلانی محمد بن الطیب (338ھ/950ء۔ 430ھ/ 1013ء) متکلم اور فقیہ۔ پ بصرہ، وفات بغداد۔ اشعریت کا بہت بڑا داعی، عضد الدولہ دیلمی نے باقلانی کو معتزلہ سے مناظرے کے لئے بغداد بلایا اور معتزلہ مغلوب ہو گئے۔ پھر اسے ایک وفد کے ساتھ قسطنطنیہ بھیجا گیا۔ وہاں مسیحی علماء سے مناظرہ کر کے انہیں بھی مغلوب کیا۔ منصب قضا پر فائز رہا اور عضد الدولہ کے بچوں کی اتالیقی بھی کی۔ فقہ میں ۵۰ سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں مثلاً ''التمہید''، ''الاصول الکبیر''، ہدایۃ المستر شدین'' اور ''اعجاز القرآن''، جس میں ادیبوں، ارباب بلاغت اور متکلمین کا رد کیا۔

(اردو جامع انسائیکلوپیڈیا۔ ج ۱۔ ۲۰۷)

حضرت ملک العلماء کی رائے میں باقلانی محلات ہیں:

ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں کہ:

مجدد مائۃ اولٰی بالاتفاق خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

تھے۔ اور

مجدد مائۃ ثانیہ امام شافعی تھے۔ اور

مجدد مائۃ ثالثہ قاضی ابو العباس ابن شریح شافعی، امام ابو الحسن اشعری، محمد بن جریر طبری تھے۔ اور

مجدد مائۃ رابعہ ابو بکر باقلانی اور ابو طیب صعلوقی وغیرہ تھے۔

ملک العلماء کون ہیں؟

صاحب عمدۃ التحقیق حضرت نقشبندی صاحب کو اگر ملک العلماء کا تعارف درکار ہو تو انہیں پیش نظر چند سطور کا مطالعہ مفید رہے گا۔

فراغت کے بعد سب سے پہلے دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف میں مدرس مقرر ہوئے۔ تدریس کے علاوہ فتویٰ نویسی اور تقریر و وعظ کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ چار سال کے بعد دین حق کی حمایت و نصرت کے لیے شملہ کی جامع مسجد کے خطیب مقرر ہوئے۔ ۱۳۲۹ھ میں مسلسل ۸ سال اعلیٰ حضرت کی خدمت میں رہنے کے بعد شملہ پہنچے۔ ۱۳۳۰ھ میں مدرسہ حنفیہ آرا بہار آئے ایک سال تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد جامعہ شمس الہدیٰ میں حدیث کے استاذ مقرر ہوئے اور بعد میں فقہ و تفسیر کے شعبے بھی آپ سے متعلق ہوئے اور مدرس اول کے منصب سے سرفراز کیے گئے۔ پٹنہ میں تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی شغل جاری رہا اور علم توقیت میں ''توضیح التوقیت'' کی تکمیل یہیں ہوئی۔ اس کے علاوہ دوسری

کتابیں بھی تصنیف فرمائیں۔۱۳۳۳ھ میں خانقاہ کبیریہ سہسرام کے مدرسہ کی صدارت کے لئے سہسرام تشریف لے گئے جہاں کافی عرصہ تک قیام رہا۔ ۱۹۲۱ء/ ۱۳۳۸ھ میں دوبارہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں تشریف لائے اور ۱۳۵۶ھ / ۱۹۴۸ء میں پرنسپل مقرر ہوئے۔۱۲ نومبر ۱۹۴۹ء سے رخصت لے لی اور ۱۹۵۰ء میں اس عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ چند سال ظفر منزل شاہ گنج پٹنہ میں آرام فرمانے کے بعد جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار ۱۳۷۱ھ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ میں علالت کی وجہ سے پٹنہ آ گئے۔ ۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء کو شب دوشنبہ پٹنہ میں وصال فرمایا۔

حضرت ملک العلماء نے فراغت کے بعد اپنی زندگی کا بیشتر زمانہ درس وتدریس میں بسر کیا اور ملک کی مشہور و مؤقر درسگاہوں میں مدرس اعلیٰ کی حیثیت سے فائز رہے۔ بلاشبہ ان کے تلامذہ کی تعداد حد وحساب سے باہر ہے۔ باضابطہ درس لینے والے تلامذہ کے علاوہ ایسے مشاہیر علماء بھی ہیں جنہوں نے بعض مخصوص علم وفن میں آپ سے کسب فیض کیا۔ جن میں مفتی محمد عمیم الاحسان ڈھاکہ، حاجی محمد ظہور مراد آباد، مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی، مولانا نظام الدین بلیاوی، مولانا یحییٰ بلیاوی، ڈاکٹر مختار الدین آرزو، مولانا محمد شہاب الدین اشرفی، مولانا غلام مجتبیٰ اشرفی، مولانا خواجہ مظفر حسین قابل ذکر ہیں۔ افسوس کہ آپ کے دیگر اہم تلامذہ کی فہرست دستیاب نہ ہو سکی۔

حضرت ملک العلماء نے اپنی خداداد صلاحیت اور ذوق علم کی بدولت بڑے بڑے علماء وفضلاء سے اسلامی علوم وفنون کا درس لیا اور وہ بجا طور پر اپنے معاصرین میں ملک العلماء تھے۔ حدیث وفقہ، تفسیر وکلام کے علاوہ وہ علم ہیئت وتوقیت میں بھی یگانۂ عصر تھے۔ ملک العلماء بالغ نظر عالم جلیل القدر محدث عظیم فقیہ بے مثال مدرس لاجواب مناظر، بلند پایہ مصنف اور دل نشیں وموثر خطیب وواعظ تھے۔ آپ کی علمی جلالت کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ عالمانہ عظمت، وقت نظر اور پر خلوص علمی ودینی مساعی جمیلہ کی بدولت اپنے سب سے محترم استاذ اور شیخ طریقت اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں جو مقام ومرتبہ رکھتے تھے اس کا اندازہ اعلیٰ حضرت کے مکاتیب سے ہوسکتا ہے جو اپنے عزیز شاگرد کو لکھے ہیں۔ ان میں کبھی ولدی الاعز، حبیبی وولدی وقرۃ عینی، کبھی برادر دینی ویقینی، کبھی ولدی اعزک اللہ فی الدین والدنیا لکھ کر خطاب فرمائے ہیں۔"

(حیات اعلیٰ حضرت، از۔ ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری صفحہ ۷۰۸، ۷۰۹)

ملک العلماء اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ:

صاحب عمدۃ التحقیق کو اگر اب بھی تسلی نہیں ہوئی تو اعلیٰ حضرت بریلوی کا ایک مکتوب ملاحظہ فرمائیں۔

اعلیٰ حضرت نے ملک العلماء کے بارے میں خلیفہ تاج الدین احمد ناظم انجمن نعمانیہ ہند لاہور کو ۵ شبان ۱۳۲۸ھ کو تحریر کیا۔

''مکرمی مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں سب سے زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ سنی خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ ہادی مہدی ہیں عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں واعظ ہیں، مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔ علماء زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم علماء بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیاء کیا اور سات اصحاب بنانا چاہے جن میں بعض نے انتقال کیا۔ اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع و غروب و نصف النہار ہر روز و تاریخ کے لیے اور جملہ اوقات ماہ مبارک رمضان شریف کے بھی بناتے ہیں۔

فقیر آپ کے مدرسہ کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لیے پیش کرتا ہے۔ (مکاتیب بنام ملک العلماء قلمی)

(حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۳ صفحہ ۷۰۹، ۷۱۰)

امید ہے اس مطالعہ کے بعد چودہ طبق روشن ہو گئے ہوں گے۔ تشنگی باقی ہو تو ہم آئندہ تعاقب میں مزید معروضات عرض کرنے کی جسارت کریں گے۔

نقشبندی صاحب!

یوں نہ دوڑو برچھی تان کر
اپنے بیگانے ذرا پہچان کر

حیرت تو اس ساری کارروائی پر ہے جو فقط ''زبدۃ التحقیق'' کی وجہ سے مسلط ہو جانے والی خفت کو مٹانے کی غرض سے حضور مفکر اسلام مبلغ عالم اسلام حضرت پیر سید عبدالقادر شاہ جیلانی دامت برکاتہم العالیہ کو بے بنیاد، من پسند اور من گھڑت الزامات کی آڑ میں شیعہ، کبھی رافضی، کبھی تفضیلی کے القاب سے نوازنا مقصود ہے۔ صرف اس چھوٹی سی خواہش پر ان تمام اکابر و اسلاف کو بھی شیعہ، رافضی، تفضیلی اور گمراہ کہہ ڈالا جن کے حوالہ جات حضرت مفکر اسلام نے اپنے موقف کی تائید میں پیش فرمائے ہیں حالانکہ خدا خوفی کا تقاضا یہ تھیں اگر انصاف و دیانت قریب سے بھی گذری ہو تو ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یہ اکابر تو وہ ہیں جنہیں امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آئمہ اہل سنت میں تسلیم کیا ہے اور فتاویٰ رضویہ میں جگہ جگہ ان کے حوالہ جات دیئے ہیں۔ مثلاً اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

''الحمدللہ یہ ارشاد ہے امام ابو بکر باقلانی کا جس نے اس مورخ کا سفید جھوٹ اور سیاہ افتراء ثابت کیا اور صحابہ و ائمۂ اہلسنت کو چھوڑ کر اس کا دامن تھامنے والوں کا منہ کالا کیا، وللہ الحمد۔

الحمد للہ یہاں سے فرنگی محلی تحریر کی امام قاضی عیاض پر وہ طعنہ زنی بھی باطل ہوگئی کہ ذکر اجماع کی ابتدا ان سے ہوئی۔ امام قاضی عیاض چھٹی صدی میں تھے اور امام اہلسنت قاضی ابو بکر باقلانی چوتھی صدی میں۔ وہ اجماع نقل فرما رہے ہیں۔ وللہ الحمد (فتاویٰ رضویہ: جلد ۱۴)

ایک طرف تو اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ امام ابو بکر باقلانی کو امام اہل سنت کے لقب سے یاد فرما رہے ہیں اور ان کی تعریف و توصیف کے علاوہ ان کے کمالات علمیہ اور خدمات جلیلہ کا اعتراف کر رہے ہیں وہاں اپنے آپ کو مسلک رضا کا چیمپئن کہلانے والے نقشبندی بزرگ اسی امام باقلانی کو اکابر معتزلہ میں سے لکھ رہے ہیں۔

یا خدا! انصاف کہاں ہے؟

قارئین کرام خود فیصلہ کریں کہ عقل چل بسی یا علم اٹھ گیا۔ آخر سبب کیا ہے کہ بغض و عداوت اس قدر دل و دماغ پر مسلط ہوگئی۔ اپنے بیگانے کی پہچان ہی ختم ہوگئی۔

ایک مخلصانہ دعوت:

ہمارے نقشبندی صاحب اگر اب بھی حق وصواب کی راہ کو اختیار کر لیں تو ہمیں دیدہ و دل فرش راہ کیئے ہوئے پائیں گے۔ ان سے کوئی کد یا تنازعہ ہرگز نہیں۔ فقط اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے حصول اور اظہار حق کی غرض سے یہ کلمات ان کی خدمات میں پیش کیے ہیں۔

مجلس انتظامیہ

دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب کی مجلس انتظامیہ ملک کے مقدر اور جیّد اسکالرز پر مشتمل ہے۔ ان کی تفصیلات اس مقصد کے پیش نظر دی جارہی ہیں تاکہ معزز قارئین کو ان ثقہ شخصیات سے متعارف بھی کرادیا جائے۔

۱۔ پروفیسر حمید احمد خاں، ایم اے (پنجاب)، ایم لٹ (کیمبرج)، ستارۂ امتیاز، ستارۂ پاکستان، وائس چانسلر دانش گاہ پنجاب (صدر مجلس)

۲۔ جسٹس ڈاکٹر ایس۔ اے۔ رحمٰن، ہلال پاکستان، چیف جسٹس سپریم کورٹ، پاکستان، لاہور

۳۔ لیفٹیننٹ جنرل ناصر علی خاں، سابق صدر روس کمیشن، مغربی پاکستان، لاہور

۴۔ جناب معز الدین احمد، سی۔ پی، سابق معتمد وزارت داخلہ و امور کشمیر، حکومت پاکستان، راولپنڈی

۵۔ جناب الطاف گوہر، سی۔ ایس۔ پی، تمغۂ پاکستان، ستارۂ قائداعظم، ستارۂ پاکستان، ہلال قائداعظم، معتمد اطلاعات، حکومت پاکستان، راولپنڈی

۶۔ معتمد مالیات، حکومت مغربی پاکستان، لاہور

۷۔ سید یعقوب شاہ، ایم اے، سابق آڈیٹر جنرل، پاکستان و سابق وزیر مالیات، حکومت مغربی پاکستان، لاہور

۸۔ مسٹر عبدالرشید خاں، سابق کنٹرولر پرنٹنگ اینڈ سٹیشنری، مغربی پاکستان، لاہور

۹۔ ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، ایم اے، ڈی لٹ، پروفیسر ایمریطس، سابق پرنسپل اورینٹل کالج، لاہور

۱۰۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر، ایم اے، پی ایچ ڈی، پرنسپل اورینٹل کالج، لاہور

۱۱۔ پروفیسر محمد علاء الدین صدیقی، ایم اے، ایل ایل بی، ستارۂ امتیاز، صدر شعبۂ علوم اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور

۱۲۔ سید شمشاد حیدر، ایم اے، مسجل دانش گاہ پنجاب، لاہور

۱۳۔ جناب ایم۔اے شہید، بی کام، ایس اے ایس، خازن دانش گاہ پنجاب، لاہور

دانش گاہ پنجاب کی تحقیقی رپورٹ:

اردو دائرہ معارف اسلامیہ نے جسے محققین کی ایک جماعت نے دانش گاہ پنجاب لاہور میں اسے مرتب کیا اور تحقیق کے بین الاقوامی ضوابط کی حدود و قیود کے ساتھ حکومتی نگرانی و سرپرستی میں شائع کیا گیا اس میں امام باقلانی قدس سرہٗ کے متعلق مفصل مقالہ لکھا گیا ہے۔

آنکھیں بند کر کے لڑکھڑاتی زبان و قلم کے ساتھ انہیں شیعہ کہہ کر اپنی جان چھڑانے والوں کی معلومات کے لئے وہ مقالہ بلا کم و کاست پیش کرتا ہوں۔

دائرۃ المعارف الاسلامیۃ

اضدر بالالمانیۃ والانجلیزیۃ والفرنسیۃ

واعتمد فی الترجمۃ العربیۃ علی الاصلین، الانجلیی والفرنسی

امام باقلانی کو شیعہ کہنے سے پہلے ان کے متعلق دی گئی معلومات کو ایک نظر ملاحظہ کر لیا جائے جو دائرۃ المعارف الاسلامیۃ (اضدر بالالمانیۃ والانجلیزیۃ والفرنسیۃ، واعتمد فی الترجمۃ العربیۃ علی الاصلین، الانجلیی والفرنسی) نے فراہم کی۔

ملاحظہ ہو:

هو القاضی ابو بکر بن الطیب بن جعفر ابن القاسم المعروف بالباقلانی۔ انظر ترجمته فی وفیات الاعیان لابن خلکان ج ۱، ص ۱۸۱

الباقلانی، ابو بکر بن علی بن الطیب مؤلف عربی و من علماء الکلام، قرا علی ابی العباس بن مجاهد الطائی البصری تلمیذ ابی الحسن الاشعری و توفی لسبع بقین من ذی القعدة سنة ۴۰۳ھ = ۶ من یونیة سنة ۱۰۱۳م او کانت فاتة ببغداد۔ واشتهر الباقلانی بما کتبه فی الجدل والمناظرة وقد مزج علم الکلام بآراء جدیدة اخذها عن الفلسفة الیونانیة او ربما اخذها عن عقائد الکنیسة الشرقیة مثل ذلك:

قوله فی الذرة والخلاء وان العرض لا یقوم بعرض وان العرض لا یبقی وحدتین من الزمن۔ ولم یبق من مصنفاته الا و کتاب فی اعجاز القرآن، طبع فی القاهرة سنة ۱۳۱۵ھ = ۱۸۹۷ م۔ و یروی السیوطی فی کتابه و الاتقان، (طبعة القاهرة سنة ۱۲۶۸ھ، ج ۲، ص ۱۴۴) نقلا عن ابن العربی ان کتاب الباقلانی هو احسن ما کتب فی موضوعه وذکر ابن حزم فی کتابه المسمی فیصل (۱) ان الباقلانی صنف کذبك کتاب و الاستبصار فی القرآن، و کتابا فی مذاهب القرامطة۔

اس سلسلہ میں ان کے اصل ماخذ و مصادر درکار ہوں تو وہ یہ ہیں:

(۱) ابن خلکان، طبعۃ بولاق، ۱۲۹۹ رقم ۸۵۰ (۲) A.F.Megren: فی *Travaux de la IV eme Session du Kongres International des orient*، سانت بطرسبرج، سنۃ ۱۸۷۶، ج ۲، وطبع کذلک فی لیدن سنۃ ۱۸۷۹ء، ص ۲۸۸ (۳) M. Schreiner: فی *Actes du VIII eme congres international. des orient. tenu en 1889 a Stockholm et a Christiania*، طبع فی لیدن ۱۸۹۱، ص ۱۰۸۔

[بروکلمان C. Brokelmann]

(المجلد الثالث)

☆☆☆

زبدۃ التحقیق کی تائید اور عمدۃ التحقیق کے رد میں لکھی گئی مسلمہ کتاب

حقائق کی تہہ تک پہنچنے اور نفس مسئلہ کی تفہیم کے لیے
زبدۃ التحقیق کا مطالعہ بہت ضروری ہے

چھٹی صدی ہجری میں اہل سنت کے عظیم بزرگ

الشیخ محمد عبد الکریم الشہرستانی

الشیخ محمد بن عبدالکریم الشہر ستانی قدس سرہٗ:

جناب نقشبندی صاحب! اپنے مخصوص اہداف کے پیش نظر انصاف و دیانت کا قتل کرنے کا جرم تو آپ نے کر دیا۔ مگر یہ نہ سوچا کہ آخر حقائق کو کب تک پس پردہ رکھا جا سکے گا؟

فی الحال ہم شیخ شہرستانی کے متعلق سر دست فقط چند تحقیقاتی اداروں کی رپورٹس پر اکتفا کریں گے اور اگر تسلی و تشفی نہ ہوئی تو پھر آپ ہمیں مزید خدمت کے لئے بھی حاضر پائیں گے۔

دائرہ معارف اسلامیہ کی تحقیق:

سب سے پہلے اردو ''دائرۂ معارف اسلامیہ'' دانش گاہ پنجاب لاہور کی جلد ۱۱ کا مطالعہ کریں۔

محمد بن عبدالکریم، [پانچویں چھٹی صدی ہجری میں] [مسالک [مذاہب (اور فرقوں) کے بارے میں لکھنے والے] نامور مؤرخ)۔ شہرستانی خراسان کے ایک شہر شہرستان میں ۴۶۹ھ/۱۰۷۶ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی تاریخ ولادت ۴۶۷ اور ۴۷۹ھ میں بھی بتائی گئی ہے۔ فقہ اور علوم (علم عقائد) کی تعلیم شہرستانی نے جرجانیہ اور نیشاپور میں پائی اور علم الکلام ابو

القاسم الانصاری سے۔ ابن خلکان کے نزدیک ان کا تعلق اشعریہ سے تھا، لیکن السمعانی کی رائے میں ان پر اسمٰعیلیوں کا اثر تھا اور وہ اپنے مکالمات اور مباحث میں ہمیشہ حکما ہی کا ذکر کرتے تھے۔ شریعت اور فقہ سے ان کی دلچسپی زیادہ نہ تھی۔ انہوں نے حج بھی کیا تھا اور پھر؟ سال بغداد میں گزار کر اپنے وطن میں اقامت پذیر کئے۔ جہاں ۵۴۸ھ/۱۱۵۳ء میں وفات پائی۔

انہوں نے متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں سب سے زیادہ مشہور ادیان و مذاہب اور؟ کے بارے میں کتاب الملل والنحل ہے۔ دوسری تصنیفات میں سے علم الکلام کے متعلق ؟ایۃ الاقدام فی علم الکلام کا ذکر کر دینا چاہیئ۔ ایک اور تصنیف مابعد الطبعیات میں ہے جس کا ؟وان المضارعۃ الفلاسفۃ، یعنی فلسفیوں سے مجالہ ہے۔ اس سے الغزالی کی تصنیف تہافت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ الشہر ستانی کی ایک اور کتاب تاریخ الحکماء ہے۔ اسی عنوان سے ایک صدی بعد ابن القفطی (۱۲۴۸ء) نے اپنی مشہور کتاب تصنیف کی۔ مزید تصانیف اور مآخذ کے لئے دیکھیے الزرکلی: اعلام ۷: ۸۳ ببعد]۔

کتاب الملل والنحل فلسفیانہ تصنیفات میں ایک بڑی اہم دستاویز ہے یہ ۵۲۱ھ/ ۱۱۲۷ء کی تصنیف ہوئی اور اس میں مصنف نے ہر اس نام پر تبصرہ کیا ہے جس کا تعلق حکمت اور مذاہب سے ہے اور جس کے مطالعے کا اسے موقع ملا۔؟ میں مصنف نے یہ اصول مدنظر رکھا ہے کہ اسلام کے مسلمہ عقائد سے کون کون سے مسلک یا فرقے کہاں تک ہٹے ہوئے یا کون کون سے قریب ہیں۔ لہٰذا انہوں نے اول اسلامی فرقوں کو لیا ہے یعنی وہ جو مسلمانوں کے اندر سے پیدا

ہوئے، مثلاً شیعہ، معتزلہ وغیرہ) پھر اہل کتاب کو لیتے ہیں۔ یعنی عیسائیوں اور یہودیوں کو جن کی الہامی کتاب کا اسلام کو اقرار ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کی الہامی کتابیں مشکوک یا جھوٹی ہیں، مثلاً مجوسی اور ثنویہ۔ آخر میں صابیوں کی باری آتی ہے جو ستاروں کی پرستش کرتے ہیں۔ الہامی فرقوں کے بعد وہ عہد قدیم کی وثنیت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور یونان کے مشہور حکما کے بارے میں الگ الگ مقالے لکھتے ہیں۔ پھر مسلمانوں کے علم الکلام کی توضیح کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ فلسفۂ یونان سے ماخوذ ہے۔ کتاب کے آخری حصے میں [ہندوؤں کے] مذاہب کا ذکر کیا گیا ہے۔

کتاب کا آغاز ایک مقدمے سے ہوتا ہے جس کے چوتھے باب میں ان تمام اختلافات کا ذکر کیا گیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری لمحات زندگی ہی میں پیدا ہو گئے تھے اور جو ایک طرف مذہب اور دوسری طرف سیاسیات پر اثر انداز ہو کر یکے بعد دیگرے فرقوں کے ظہور کا باعث ہوئے۔ یہ حصہ محققانہ ہے۔ مقدمے کے ایک دوسرے باب میں الشہرستانی نے ریاضی سے بحث کی ہے۔ یہاں وہ کسی حد تک اپنے ریاضی دان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن کتاب سے اس دعوے کی تائید نہیں ہوتی۔ دراصل الشہرستانی کا ذہن بنیادی طور پر محض فلسفیانہ تھا۔ انہیں صرف تصورات سے دل چسپ ہے۔ سوانح حیات کے متعلق وہ زیادہ تفصیلات میں نہیں جاتے اور کتابوں کے نام بہت کم دیتے ہیں۔ واقعات کی ترتیب زمانی اور سنین کا ذکر بالکل نہیں کرتے۔ البتہ ایک تجزیہ پسند مبصر کی حیثیت سے انہیں باریک

بین کہا جا سکتا ہے (اور یہ امر قابل ذکر ہے کہ) وہ ہر چیز کو معروضی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں؛ تاہم انداز بیان معذرتی (apologetic) نہیں۔

الشہر ستانی کی کتاب کے اہم ترین حصے وہ ہیں جن میں معتزلہ، شیعہ، ثنویہ اور صابی فرقوں کا ذکر ہے۔ معتزلہ کے بارے میں [جن کے اہم علم بردار بال کی کھال اتارنے والے متکلم اور باریک بین مفکر تھے، اگرچہ ان کی تصنیفات ہم تک نہیں پہنچیں] الشہر ستانی اور الایجی ہی ہمارے سب سے بڑے مآخذ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ الاشعری اور مذہب اشاعرہ کے حال میں جس کی بدولت گویا عقیدہ راسخہ کی قطعی شکل معین ہوئی، انھوں نے جو مقالہ سپرد قلم کیا ہے وہ بڑا دلچسپ [اور نتیجہ خیز] ہے۔ وہ مقالات بھی معلومات افزا ہیں جن کا تعلق شیعہ، خوارج اور موحدہ سے ہے جو خود بھی سیاسی نوعیت کے کئی فرقوں میں منقسم تھے اور جنہیں خود مسئلۂ امامت میں ایک دوسرے سے اختلاف تھا۔ لیکن مصنف نے اسمٰعیلیہ اور باطنیہ کے بارے میں بڑا اختصار برتا ہے۔ ایسے ہی یہود کے متعلق اس نے اجمال سے کام لیا ہے۔ اسے عیسائیوں کے تین فرقوں متعلق ناقص تھا، لیکن افلاطون پر مقالہ اچھا خاصا ہے۔ وہ اس کے نظریۂ اعیان کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ ایسا ہی ایک دلچسپ مقالہ فیثا غورث کے متعلق ہے جس میں وہ اس کے نظریۂ "اعداد" اور اقلیدسی تصورات کی بطور اصول موجودات تشریح کرتے ہیں۔ ارسطو پر جو مضمون ہے وہ ابن سینا اور تماسطیوس کی شرح سے ماخوذ ہے۔ علم الکلام پر الشہر ستانی کا طویل مقالہ دراصل ابن سینا کی النجاۃ کا ملخص ہے۔ آخر میں جو حصہ ہندوستان سے متعلق ہے اس میں بعض عجیب وغریب باتیں لکھی ہیں۔

شہرستانی (1076-1153) محمد ابن عبدالکریم الشہر ستانی۔ مشرقی عہد وسطٰی میں مذہب کا اہم ترین تاریخ دان جس نے میڈی ٹرینیئن مشرق قریب اور جنوبی ایشیائی دنیا میں عالمی مذاہب اور فلسفوں کے ثقافتی اختلاط اور نظریاتی ترقی کو دیکھنے کا ایک طریقہ کار پیش کیا۔ اس کی زندگی کے بارے میں ہمیں بہت کم معلومات میسر ہیں۔ اس نے فقہ اور دینیات کا مطالعہ کیا۔ اس کے ذاتی فلسفیانہ مذہبی رجحانات اختلاف رائے والا معاملہ ہیں۔ اپنی شاہکار ''کتاب الملل والنحل'' (مذہبی اور فلسفیانہ رویوں کی کتاب) کے علاوہ اس نے فلسفیوں کو مناظرہ اور دینیات پر ایک قابل قدر کتاب ''نہایت وقدام'' بھی لکھی۔ تاہم، اول الذکر کتاب پر ہی اس کی شہرت کے اثر و رسوخ کا دارومدار ہے۔ متکلم علمائے دین پر شہرستانی کی مشہور بحث کی بنیاد مکاتب اور ذیلی مکاتب کی زمرہ بندیوں پر ہے۔ یہ زمرہ بندیاں کئی ایک موضوعاتی معاملات پر ان کے نکتۂ نظر کے مطابق کی گئیں جن میں توحید اور قدر بھی شامل ہیں۔ شہرستانی ہمیں دکھاتا ہے کہ دینیاتی حث نے کس طرح نئے نکتہ ہائے نظر پیدا کیے۔ کچھ علما نے کہا کہ بصارت، سماعت وغیرہ ایسی صفات (جن میں انسان بھی شریک ہے) خلقی طور پر؟ ہیں۔ لہٰذا خدائے واحد سے تعلق رکھنے والی صفات مثلاً؟ علم اور عزم کی توثیق ہیں۔ دیگر نے کہا کہ تمثیلی تفسیر قرآن کی وضاحت کرنے کا طریقہ ہے۔ علم کائنات یا تکوینیات کے بارے میں شہرستانی کے خیالات خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ؟ارسطو اور سقراط فلسفیوں پر اپنی بحث میں وہ نئی قبل از سقراط اسلامی ؟کے خدوخال پیش کرتا ہے۔ اگرچہ زیادہ تر خیالات تھیلس،؟ اور دیگر قبل از

سقراط فلسفیوں کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں مگر یہ ''تمام صورتوں کا ماخذ'' ابتدائی عنصر کے سوال کی جانب زیادہ مسلسل رجوع کی بنیاد پر زیادہ موضوع وحدث کے ساتھ ایک نیا نکتۂ نظر پیش کرتا ہے۔ کسی اور شہادت کی عدم موجودگی میں یہ جاننا مشکل ہے کہ کس قدر موضوع وحدت اسلامی مکاتب کی اپنی ہے اور کس قدر شہرستانی کے کام کی۔ ہران کے سبائیوں پر اس کا مضمون شاید سب سے زیادہ شاندار ہے۔

☆☆☆

نفتح محمد بن ابی القاسم عبدالکریم (۴۶۹۔۵۴۸/۱۰۷۶) ایران کا ایک مشہور متکلم اور مصنف پ۔ شہرستان رجانیہ اور نیشاپور میں تعلیم حاصل کی اور پھر بغداد زندگی گزارنے کے بعد باقی عمر اپنے وطن میں بسر کی۔ سب سے مشہور کتاب ''الملل والنحل'' ہے جس میں فرقوں کے علاوہ دنیا کے باقی تمام مذاہب و تعلیمات کا بھی محققانہ بیان ہے۔ اس اہم کتاب کا ترجمہ ترکی فارسی اور اردو زبانوں میں ہو چکا ہے۔ دوسری کتابوں میں ''نہایۃ الاقدام فی علم الکلام''، ''البیان'' ''المضارعۃ'' اور ''تلخیص الاقسام لمذاہب'' کا نام لیا جا سکتا ہے۔

امام عبدالکریم شہرستانی کون؟

امام شہرستانی نے الملل والنحل میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے استاد و مرشد حضرت امام زید رضی اللہ عنہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھا کہ امام زید رضی اللہ عنہ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ سے افضل سمجھتے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو برحق سمجھتے تھے۔

عمدۃ التحقیق میں مولانا موصوف نے بوکھلاہٹ کے عالم میں امام شہرستانی کو رافضی شیعہ لکھ دیا۔ اتنا بھی نہ سوچا علمائے اہلسنت نے جگہ جگہ اپنی تصنیفات میں شہرستانی کے حوالے دیئے ہوئے ہیں اور ان کی اس کتاب الملل والنحل کی تعریف و توصیف کی ہے۔ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین کے ایمان کے مسئلہ پر امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جو دلائل تصنیف فرمائے ہیں ان میں الملل والنحل کے حوالہ جات سے استدلال کیا ہے تاہم ایک اہم حوالہ ہم پیش کر رہے ہیں جس کے بعد ہمارے مخالفین اپنی ہرزہ سرائی پر غور کرنے پر مجبور ہو جائیں گے اور آئندہ اسلاف کے بارے میں زبان درازی کرنے سے پہلے کئی بار سوچیں گے۔

یہ رضا کے نیزے کی مار ہے:

عمدۃ التحقیق والے کے نزدیک امام شہرستانی غالی شیعہ ہے اور ان کی کتاب الملل والنحل گمراہ کن کتاب ہے جبکہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب کے مطالعہ کو ضروری قرار دیتے ہیں اس لئے کہ اس کتاب کا تعلق عقائد سے ہے۔ اب ہم انتظار کریں گے کہ مولانا موصوف اور ان کے مداحین اعلیٰ حضرت کے بارے میں کیا فتویٰ دیتے ہیں، حوالہ ملاحظہ کیجئے۔ علم عقیدہ میں ایک بحث ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام حروف و اصوات پر مشتمل ہے یا نہیں۔

صاحب عمدۃ التحقیق نے میزان الکتب مصنفہ مولانا محمد علی لاہوری کی

امام اہل سنت حضرت ابن علامہ البر رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ایک محققانہ تجزیہ

ڈاکٹر ایس اے ہاشمی کی رائے ہے کہ:

''یہ بزرگ تھے امام ابن عبدالبر جنہوں نے اپنے رفیق محترم امام ابن حزم کے سامنے اپنی رائے کا برملا اظہار فرمایا۔ امام ابن عبدالبر قرآن، حدیث، فقہ، سیرت، علم الرجال، تاریخ اسلام، تاریخ ادب، صرف ونحو، شعروادب اور طب کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ کا تعلق سرزمین اندلس سے تھا اور آپ کو آپ کے علمی کارناموں کی وجہ سے ''حافظ المغرب'' کہا جاتا ہے۔ اہل اندلس کو امام ابن عبدالبر پر اس قدر فخر ہے کہ وہ امام ابن عبدالبر کے زمانۂ حیات کو ''عصر ابن عبدالبر'' کے نام سے پکارتے ہیں۔ یعنی ''ابن عبدالبر کا زمانہ۔''

(عظیم مسلم شخصیات:۹۴)

متقی اور پاکباز زماں کا فرزند ابن عبد البرؒ

امام ابن عبد البر کی والدہ کے بارے میں تاریخ خاموش ہے لیکن اتنا ضرور ثابت ہے کہ ان کی والدہ کی صحیح تربیت، سچی مامتا اور دین داری و پرہیز گاری نے ابن عبد البر کی شخصیت پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ تاریخ زیادہ تر ان ماؤں کا ذکر کرتی ہے جنہوں نے سیاسی یا معاشرتی میدان میں کوئی کارنامہ سرانجام دیا ہو۔ ابن عبد البر کی والدہ ''خاتون خانہ'' تھیں اور اسلامی طرز زندگی کا پاکیزہ نمونہ تھیں۔ دینی علوم سے بخوبی آشنا تھیں۔

(حوالہ ایضاً۔۹۵)

فن قرأت میں خدمات:

ابن عبد البر نے دانیہ میں بہت اچھا وقت گزارا۔ دانیہ کے لوگ علوم قرآن کے دلدادہ تھے چنانچہ ابن عبد البر نے ان کی خاطر چار کتابیں قرأت کے موضوع پر لکھیں، جن کے نام یہ ہیں:

1۔ البیان عن تلاوت القرآن

2۔ الاکتفاء فی قراۃ نافع و ابی عمر بن العلا

3۔ الانصاب فیمانی بسم اللہ من الخلاف

4۔ التجوید والمدخل الی علم القرأت بالتحدید

(عظیم مسلم شخصیات: ۹۷)

ابن عبدالبر کی چند دیگر کتب کے نام درج ذیل ہیں:

1۔ الکافی فی مذھب مالك: 15 جلدوں میں ہے۔

2۔ الاکتفاء: نافع اور ابوعمر کی قرأت پر ہے۔

3۔ التقصی: المؤطا کا اختصار ہے۔

4۔ کتا الانباء: راویوں کے قبائل کا ذکر ہے۔

5۔ کتاب الانتقاء: اس میں امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک کے اقوال کا ذکر ہے۔

6۔ کتاب البیان: اس کا موضوع تلاوت القرآن ہے۔

7۔ کتاب الاجویه الموعبه۔

8۔ کتاب الکنی: کنیتوں پر مشتمل ہے۔

9۔ کتاب المغازی۔

10۔ کتاب الفرائض۔

11۔ کتاب اشعار ابی التاھیه۔

''الاستذکار'' نامی کتاب سے پتا چلتا ہے کہ ابن عبدالبر کے تقریباً 116 اساتذہ تھے جبکہ سعید احمد اعراب کے قول کے مطابق ان کی تعداد 123 ہے۔

ابن عبدالبر کے شاگردوں کی تعداد 47 ہے جن میں امام ابن حزم، امام حافظ حمیدی جیسے جلیل القدر علماء وفقہا بھی شامل ہیں۔ (ص ٩٩)

ابن عبدالبر سے متعلق مزید چند باتیں:

وفیات الاعیان و انباء ابناء الزمان (لابی العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلقان جو کہ الدکتور احسان عباس کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے میں ابن عبدالبر سے متعلق مزید معلومات لی جا سکتی ہیں۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا (حصہ دوم) سید قاسم محمود کا کہنا ہے کہ ''اپنی تصنیف الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب کے باعث اس نے بہت شہرت پائی۔ اس کتاب کی ترتیب حروف تہجی کے مطابق ہے۔'' اس سے پہلے آپ کے متعلق رقمطراز ہیں کہ:

> ''قرطبہ کا سب سے زیادہ فاضل محدث شمار ہوتا ہے۔ بشونہ میں منصب قضاء پر فائز رہا۔'' (صفحہ 1120)

''الاعلام قاموس تراجم لا شهر الرجال وانساء من العرب والمستعربین والمستشرقین '' مولفہ خیرالدین الزرکلی (الجز الثامن) میں بھی آپ کے تذکار قاری کے علم میں اضافہ کر سکتے ہیں۔

زبدۃ التحقیق کی تائید اور عمدۃ التحقیق کے رد میں لکھی گئی مسلمہ کتاب

حقائق کی تہہ تک پہنچنے اور نفس مسئلہ کی تفہیم کے لیے

زبدۃ التحقیق کا مطالعہ بہت ضروری ہے

فضائل ومناقب

حضرت مولائے کائنات سیّدنا علی

کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم

یہ حقیقت ثابتہ اور تسلیم شدہ ہے کہ قرآن وحدیث میں جس قدر فضائل ومناقب مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے بیان ہوئے ہیں اور کسی بھی صحابی یا اہلبیت کے فرد کے اتنے فضائل بیان نہیں ہوئے۔ عمدۃ المحدثین امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں حضرت امام احمد بن حنبل، امام اسماعیل قاضی، امام نسائی اور امام ابوعلی نیشاپوری ارشاد فرماتے ہیں:

لم یرد فی حق احد من الصحابة بالاسانید الجیاد
اکثر ما جآء فی علی بن ابی طالب

(فتح الباری شرح بخاری ج 7 صفحہ نمبر 434)

مولائے کائنات اور احادیث...... ایک بحث:

جس کثرت کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں عمدہ سندوں کے ساتھ احادیث آئی ہیں وہ قابل رشک ہیں اور لائق توجہ۔ اہل علم کو کوئی حتمی رائے قائم کرنے سے پہلے ان پر غور کر لینا چاہیے۔ سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل میں جو احادیث مبارک وارد ہوئی ہیں کیا وہ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین ہیں؟ بالاسانید الجیاد کہہ کر

محدثین نے واضح کر دیا کہ یہ احادیث اپنی سندوں کے لحاظ سے مضبوط روایات ہیں۔ مولا علی کی شان میں آنے والی یہ احادیث من گھڑت نہیں ہیں بلکہ حدیث پاک کی ایک مشہور قسم حسن درجے میں شامل ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ مولائے کائنات کی شان میں آنے والی بعض احادیث متواتر کے درجے تک پہنچتی ہیں جیسے "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" والی روایت تواتر کی حدوں تک پہنچی ہوئی ہے۔

فرمان اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ...... باب مدینۃ العلم کے حضور میں

اب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ مولائے کائنات کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق میں اتنی احادیث بیان کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ اس سوال کے جو جوابات علماء نے دیئے ہیں ان سب کا نچوڑ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان فرمایا:

علی الخصوص شمع شبستان ولایت، بہار چمنستان معرفت، خاتم خلافت نبوت، فاتح سلاسل طریقت، طاہر مطہر قاسم کوثر امام الواصلین سید العارفین مولی المسلمین امیر المومنین ابو الائمۃ الطاہرین مطلوب کل طالب اسد اللہ الغالب مظہر العجائب والغرائب سیدنا ومولانا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ، اس جناب گردوں قباب کے محامد جلیلہ ومناقب جمیلہ جس کثرت اور شہرت کے ساتھ ہیں کسی اور کے لئے وارد نہیں۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ما جآء لاحد من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ

وسلم من الفضائل ما جاء لعلی بن ابی طالب

''اصحاب رسول ﷺ میں سے کسی کے لئے اس قدر

فضائل وارد نہ ہوئے جس قدر علی بن ابی طالب کے۔''

زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں: ''علماء نے فرمایا ظاہراً سبب اس کثرت واشتہار کا یہ کہ بنی امیہ اس جناب کی تنقیص شان کرتے تھے تو جس محدث کے پاس مناقب مرتضوی میں سے کچھ تھا اسے مشتہر کرتا اور وہ لوگ جس قدر ان کے مناقب بجھانا چاہتے اور محدثین کو ان کی تحدیث پر ڈراتے اسی قدر فضائل والا زیادہ انتشار وشہرت پاتے۔

(مطلع القمرین: ص ۵۶ مکتبہ بہار شریعت لاہور)

امام ابن حجر عسقلانی کی رائے:

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں ''پھر بنوامیہ کے خطیبوں نے زیادتی شروع کی اور منبروں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت کرنے کو رواج دیا۔ خارجیوں نے بھی ان کا ساتھ دیا بلکہ ان سے بھی آگے نکل گئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو کافر تک کہہ دیا بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لوگ تین گروہوں میں بٹ گئے۔ پہلا گروہ اہلسنت کا، دوسرا خارجیوں کا، تیسرا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف لڑنے والے بنوامیہ اور ان کے حامیوں کا۔ اہل سنت نے اس وقت آپ کے فضائل ومناقب کو بھرپور طریقے سے بیان کیا کیونکہ وقت کی ضرورت تھی اس

وجہ سے آپ کے فضائل زیادہ بیان ہوئے۔ (فتح الباری شرح بخاری ج ۷)

خلاصۂ کلام:

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اور اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ان بیانات سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

(1) سب سے زیادہ احادیث میں مولا علی کرم اللہ وجہ الکریم کے مناقب بیان کیے گئے۔

(2) بنو امیہ کی اکثریت حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ کی دشمن تھی اور ہر طریقے سے وہ لوگ آپ کی شان اور عظمت کو گھٹانے کی کوشش کرتے تھے اور آپ کے فضائل کو لوگوں سے چھپاتے تھے۔

(3) محدثین کو بھی حکومت کی طرف سے ڈرایا دھمکایا جاتا تھا تاکہ وہ لوگوں کے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل و مناقب بیان نہ کریں اور امت کو مولا علی کے مقام و مرتبہ سے بے خبر رکھا جائے۔

(4) بعض لوگ بغض وحسد میں اتنے آگے نکل گئے کہ منبروں پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کے چاہنے والوں کو لعن طعن کرتے تھے۔ برا بھلا کہتے تھے حالانکہ صحیح احادیث کی روشنی میں مولا علی سے بغض رکھنا صرف منافقین کا شیوہ ہے۔ مومن کبھی حضرت علی کرم اللہ وجهه الکریم کا دشمن نہیں ہوسکتا۔

فضائل و مناقب اہل بیت کے حوالے سے ایک اور اہم بات:

اہل حق محدثین نے اپنی جان کی پروانہیں کی، سختیاں برداشت کر کے وہ لوگ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے فضائل اور مناقب بیان کرتے رہے۔ اس عظیم مقصد کے لئے محدثین عظام نے قید و بند اور بھوک اور پیاس کی مصیبتوں کو قبول کیا۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ شہید اہل بیت ہیں۔ آپ نے جیل میں قید و بند کی حالت میں اپنی جان اللہ تعالیٰ کے سپرد کی۔ امام اعظم کو یہ تکلیفیں اہل بیت کی حمایت کی وجہ سے دی گئیں۔ آپ نے موت کو قبول کرلیا مگر اللہ کے رسول کی اولاد کے خلاف فتویٰ نہ دیا بلکہ حضرت سیدنا امام زید علیہ السلام کی حمایت میں فتویٰ دیا اور ظلم و جبر کی حکومتوں کے خلاف امام زید کے جہاد کو بدر کے جہاد کے مشابہ قرار دیا

(مناقب کردری وغیرہ)

حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہستی کی مثال تاریخ کے سینے میں محفوظ ہے۔ آپ صحاح ستہ میں سے سنن نسائی کے مصنف ہیں۔ آپ نے شام کے ناصبیوں کے اثرات کو ختم کرنے اور لوگوں کے دلوں میں مولا علی کرم اللہ وجہہ کی محبت پیدا کرنے کی نیت سے مستند احادیث پر مشتمل خصائص علی کتاب تصنیف فرمائی جس کی وجہ سے آپ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے اور آپ اہل بیت کی محبت میں شہید ہو گئے۔

(بستان المحدثین: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی)

ہاں مگر ایسا بھی ہوا:

بعض محدثین نے رخصت پر عمل کر کے حکومتی دباؤ کو قبول بھی کر لیا۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ بعض راوی حدیث بیان کرتے ہوئے سند میں حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ کا نام تک نہیں لے سکتے تھے، کیونکہ مولا علی رضی اللہ عنہ کا نام لینے سے جان کا خطرہ ہوتا تھا اور فتنہ و فساد برپا ہو جاتا تھا۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب شرح نخبۃ الفکر میں حدیث مرسل کی بحث میں لکھتے ہیں۔

کان قد بحذف اسم علی رضی اللہ عنہ بالخصوص ایضا لخوف الفتنۃ (شرح نخبۃ ص ۱۱۱)

"یعنی فتنہ کے خوف سے کبھی خصوصاً حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کا نام سند سے نکال لیا جاتا تھا اور آپ کا نام ذکر تک نہیں کیا جاتا تھا۔"

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف تدریب الراوی میں جو کچھ لکھ دیا ہے اس سے حالات کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ جب حدیث بیان کرتے تو روایت میں حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لیتے تھے۔ جب آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ حجاج بن یوسف کی حکومت ہے اگر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام لیتا ہوں تو میری گردن اڑا دی جائے گی۔

(تدریب الراوی)

'علی' نام رکھنے پر قتل و غارت:

بلکہ امام سیوطی کے بیان کے مطابق ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ اگر کوئی شخص اپنے بچے کا نام ''علی'' رکھتا تو بچے کو قتل کر دیا جاتا تھا۔

کانت بنو امیه اذا سمعوا بمولود اسمہٗ علی قتلوہٗ

(تدریب الراوی صفحہ ۵۳۸)

نگاہِ نبوی ﷺ دیکھ رہی تھی:

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو اولین و آخرین کے علوم عطا فرمائے۔ قیامت اور مابعد قیامت کے احوال آپ کے سامنے تھے۔ اسی طرح اپنے اہل بیت کے ساتھ پیش آنے والا سلوک اور بعد کے حالات بھی آپ ﷺ کی نگاہ نبوت میں تھے۔ اس کی نشاندہی کے ساتھ آپ نے بار بار اخبار صادقہ ارشاد فرمائے۔ ہم دلیل کے طور پر ایک حدیث پاک پیش کر رہے ہیں جسے امام نور الدین ہیثمی امام ابو یعلی موصلی رحمۃ اللہ علیہ اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف میں نقل فرمایا ہے۔ امام ہیثمی نے اس کے راویوں کو ثقہ قرار دیا۔ امام حاکم نے اس کو صحیح کہا اور امام ابو یعلی نے اس کو قابل حجت بیان کیا۔

ارشادِ نبوی ﷺ:

صحابی رسول حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

کان ابغض الاحیاء الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بنو امية و بنو ثقيف و بنو حنيفة

یعنی حضور ﷺ کو تین قبیلوں سے سب سے زیادہ نفرت تھی۔ بنو

امیہ، بنو ثقیف اور بنو حنیفہ۔ امام ابن حجر مکیؒ نے ایک روایت بیان کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میرے اہل بیت کو میرے بعد سخت مصیبتوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

لعین یزید کے حوالے سے پیشین گوئی:

وان اشدنا بغضا بنو امیة

''اور ہمارے سب سے سخت دشمن بنو امیہ ہیں۔''

یہاں تک کہ حضور علیہ السلام نے ایک مقام پر نام لے کر نشاندہی فرمائی۔

اول من یبدل و سنتی رجل من بنی امیة یقال لہٗ یزید

(ابن کثیر البدایہ والنہایہ)

فرمایا کہ سب سے پہلے میری سنت کو بدل دینے والا شخص بنو امیہ میں سے ہوگا جس کا نام یزید ہوگا۔ آخر کار اس بغض و حسد کے نتیجے میں ٦١ ہجری میں میدان کربلا میں امام عالی مقام نواسۂ رسول جگر گوشۂ بتول سیدنا امام عالی مقام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے وفادار ساتھیوں کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ تپتے ہوئے صحرا میں بے آب و گیاہ میدان میں بھوک و پیاس کی حالت میں خاندان نبوت کو شہید کر دیا گیا، خیمے جلا دیئے گئے، سروں کو نیزوں پر اچھالا گیا۔ لاشوں پر گھوڑے دوڑائے گئے جشن فتح منایا گیا بلکہ ابن کثیر کی روایت کے مطابق بعد میں بھی شام کے لوگ ہر سال ١٠ محرم الحرام کو خوشیاں مناتے تھے، کھانے تقسیم کیے جاتے تھے اور عید کی طرح جشن مسرت منایا جاتا تھا۔ (ابن کثیر: البدایۃ والنہایۃ جلد ٨ واقعات ٦١ ہجری)

حضرت مجدد گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان:

فاتح قادیاں مجدد گولڑوی سید پیر مہر علی شاہ صاحب گیلانی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں:

''بنی امیہ کا خاندان تو ختم ہو گیا لیکن ان کے سکہ کی تاثیر اور تصرف اب تک بھی بعض دلوں پر اثر انداز ہے۔ تاریخ دانوں پر مخفی نہیں کہ بنی امیہ کے بادشاہوں کا برتاؤ حضرات اہل بیت سے بہت ہی برا رہا اور وہ ہمیشہ اہل بیت کی اہانت میں کوشاں رہے۔'' (ملفوظات مہریہ ص ۱۲۱، ملفوظ ۱۶۲)

مقام غور ہے جن کا نام لینا جرم تھا ان کی فضیلت و افضلیت کی بات کون کرسکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی فضیلت کی بات آتی ہے مولوی حضرت پریشان ہو جاتے ہیں۔ اجماع، اجماع کی رٹ لگا رکھی ہے، جس طرح نجدیوں نے شرک اور حرام کے الفاظ کو رٹ لگا کر مشہور کر رکھا ہے، بات بات پر شرک کا فتویٰ داغ دیتے ہیں۔ بالکل اسی طرح عصر حاضر کے ناصبیوں نے اجماع، اجماع کا نعرہ لگا کر افضلیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سہارا لے کر اہل بیت کی توہین و تنقیص کا ایک بازار گرم کر دیا، بعض بدبختوں نے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے زیادہ محبت رکھنے والوں کو کمینہ، بدعتی اور نہ جانے کیا کیا کہہ دیا ہے۔ یہ سب بغض علی کا اظہار ہے۔ دلوں کے اندر چھپی ہوئی ناصبیت ظاہر ہو رہی ہے۔ اس لئے کہ حضرت گولڑوی کی تحقیق کے

مطابق بنو امیہ کے سکوں کا تصرف آج تک اپنا کام دکھا رہا ہے۔

حضرات محقق عصر سیّد زاہد حسین شاہ رضوی کی تحقیق:

محقق عصر فخر السادات حضرت مفتی سید زاہد حسین شاہ رضوی نے ''غایۃ التجیل'' کے اردو ترجمہ کے مقدمہ مطبوعہ لاہور میں اختصار کے ساتھ نہایت خوبصورتی سے علماء اعلام کی تحریرات کی روشنی میں مسئلہ افضلیت کی وضاحت فرمائی اور واضح کیا کہ کسی کی افضلیت پر اجماع ہوا ہی نہیں ہے۔ جہاں جہاں اجماع کا لفظ ہے اس سے مراد اکثریت کا قول ہے۔ نیز اجماع قطعی وہ ہوتا ہے جو تواتر سے منقول ہو، جبکہ افضلیت کے حوالے سے جس اجماع کی بات کی جاتی ہے وہ تواتر سے منقول ہے ہی نہیں۔ بالفرض اگر یہ اجماع تواتر سے منقول ہو تو پھر بھی اس سے قطعیت کسی صورت میں ثابت نہیں کی جا سکتی کیونکہ اجماع سے قطعیت ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس اجماع کے خلاف کوئی ضعیف سے ضعیف یا شاذ روایت بھی موجود نہ ہو۔ اگر اجماع کے خلاف کوئی روایت آ جاتی ہے تو اجماع ظنیت سے اتر کر قطعیت کے درجہ میں آ جاتا ہے۔ حالانکہ افضلیت کے حوالے سے دیگر صحابہ و اہل بیت کے افراد کی افضلیت پر صحیح درجے کی روایات موجود ہیں۔ ضعیف بھی ہیں، حسن درجہ کی بے شمار روایات ہیں جس کی تفصیل حضرت مفکر اسلام سیدی پیر عبدالقادر جیلانی مدظلہ العالی سے ''زبدۃ التحقیق'' میں اور علامہ محدث محمود سعید ممدوح شافعی نے اپنی کتاب غایۃ التجیل میں بیان کر دی ہے۔

حضور مفکر اسلام اور الشیخ محمود سعید ممدوح کی کتب کے اثرات:

درحقیقت ان دو کتابوں نے ناصبیت کے ایوانوں میں زلزلہ برپا کر کے رکھ دیا ہے اور اس وقت نواصب بوکھلاٹ کے عالم میں ہیں، طرح طرح کے الزامات لگا کر اہلسنت کے علماء کو بدنام کرنے کے مکروہ دھندے میں مصروف ہیں، ان کی طرف سے آنے والی ہر کتاب بے شمار تضادات کا مجموعہ ہوتی ہے اس لئے کہ بقول اقبال ؎

جو شاخِ نازک پہ آشیانہ
بنے گا ناپائیدار ہو گا

قارئین انتظار کریں انشاء اللہ عنقریب کچھ ایسی تحقیقات بھی سامنے آ رہی ہیں کہ افضلیت مطلقہ کا قطعی ہونا تو دور کی بات ہے اس طرح کی افضلیت تو ظنی بھی کسی کے لئے ثابت کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ جب تک حیثیات اور جہات کا اعتبار نہ کیا جائے اس اہم مسئلہ کا کوئی حل نہیں ہوسکتا۔ ہم اس مسئلہ میں اکابر امت کی آراء کو بھی سامنے لائیں گے اور کچھ ایسے تلخ حقائق بھی منظرعام پر لائیں گے کہ عوام الناس پر اچھی طرح واضح ہو جائے گا کہ ہمیں کس طرح مقام اہلبیت سے ناآشنا رکھنے کی کوششیں کی گئی ہیں، انشاء اللہ وہ وقت قریب ہے کہ جس ہستی کی خاطر ڈوبا ہوا سورج واپس آیا تھا ان کی خاطر حالات پلٹ جائیں گے۔ عوام وخواص اب اصل حقائق سے آگاہ ہو جائیں گے۔

معاصر فتنہ گروں کی سازش:

عصر حاضر کے فتنہ گر، نواصب نے اہل بیت کے مقام کو گرانے کے لئے جو پراپیگنڈہ شروع کر رکھا ہے اس کی قلعی بھی کھل رہی ہے۔ان بدبختوں نے حضور پاک ﷺ کی پاکیزہ نسبتوں کا ہرگز خیال نہ کیا،اہلبیت اطہار اور صحابہ رام رضی اللہ عنہم کا ذکر کرتے وقت یہ بدنصیب ایک مقابلے کا ماحول پیدا کر دیتے ہیں اور میدان کارزار بپا کر کے اس طرح موازنہ کرتے ہیں گویا ساری فضیلتیں ان کے ہاتھوں میں ہیں جس کو چاہیں نواز دیں جس کو چاہیں محروم رکھیں۔

☆☆☆

علامہ مفتی سید زاہد حسین شاہ صاحب رضوی بخاری نے غایۃ التبجیل کے آغاز میں جو مقدمہ تحریر فرمایا وہ بہت مفید اور معلوماتی ہے اس کی اہمیت کے پیش نظر ہم یہاں اس کو نقل کر رہے ہیں تاکہ مسئلہ کے سمجھنے میں کسی قسم کی دقت اور الجھن کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

دو اہم فتاوی کی نشاندہی:

اس مقدمہ میں دربار عالیہ گولڑہ شریف کا مصدقہ فتویٰ بھی موجود ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ کن فتویٰ بھی اس کی زینت ہے ملاحظہ کیجئے۔

از علامہ پیر سید زاہد حسین رضوی فاضل جامعہ رضویہ، فیصل آباد

عالم اسلام کے نامور محقق محسن اہلسنت محدث کبیر علامہ محمود سعید

ممدوح مدظلہ العالی کی تصنیف لطیف ''غایۃ التبجیل و ترک القطع فی التفضیل'' اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک شاہکار ہے۔ اس میں تفضیل کے جملہ پہلوؤں اور اہل اسلام کے مختلف نظریات کو انتہائی محنت کے ساتھ جمع کیا گیا ہے اور قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ افضلیت کا مسئلہ ظنی ہے۔ امام باقلانی، امام آمدی، امام مازری، امام قرطبی، امام سعد الدین تفتازانی، قاضی عیاض مالکی، سید سند شریف جرجانی، شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہم جیسی قد آور شخصیات مسئلہ تفضیل کی ظنیت کی قائل ہیں۔ اگرچہ امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا میلان قطعیت کی طرف ہے۔ تاہم انہوں نے جس قاعدے پر قطعیت کی بنیاد رکھی ہے وہ اہلسنت کا نظریہ ہی نہیں۔ اہلسنت کے نزدیک افضل کی موجودگی میں مفضول کی امامت درست ہے۔ جبکہ معتزلہ اور روافض کے نزدیک خلیفہ کا افضل ہونا ضروری ہے۔ ان کے نزدیک اگر افضل کی موجودگی میں مفضول کو خلیفہ بنایا جائے تو یہ ناجائز ہے۔ امام ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''وقال النظام والجاحظ ان الامامة لا يستحقها الا الافضل ولا يجور صرفها الى المفضول واجتمعت الروافض على انه لا يجوز امامة المفضول الا سليمان بن جرير الذيدى۔'' (اصول الدین صفحہ ۲۹۴)

خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ نظام اور جاحظ معتزلیوں کے نزدیک خلافت کا حقدار صرف افضل شخص ہی ہے۔ افضل کی موجودگی میں مفضول کو

خلیفہ بنانا ہرگز جائز نہیں۔ جبکہ روافض کا اس پر اتفاق ہے کہ خلیفہ افضل ہی ہونا چاہیے اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کو ظالمانہ و غاصبانہ قرار دیا جائے۔ (معاذ اللہ)

شرح عقائد مع نبراس میں ہے:

”ولا یشترط ان یکون افل اهل زمانه خلافا للشیعة و غرضهم ابطال خلافة من عدا الائمة الاثنی عشر۔“

(صفحہ: ۳۲۰)

اہلسنت کے نزدیک خلیفہ کے لئے اپنے زمانے کے لوگوں سے افضل ہونا ضروری نہیں، بخلاف روافض کے ان کے نزدیک خلافت کے لئے افضلیت شرط ہے اور ان کی غرض یہ ہے کہ ائمہ اثنا عشر کے علاوہ دیگر خلفاء کی خلافت کو باطل قرار دیا جائے۔ امام اشعری نے جس افضلیت پر قطعیت کی بنیاد رکھی تھی وہ چونکہ اہلسنت کا نظریہ نہیں تھا اس وجہ سے ان کی متبعین اور دیگر ائمہ اعلام نے ان کے اس نظریہ کو قبول نہیں کیا۔ بعض احباب نے اجماع کے قول کی بنیاد پر قطعیت ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے اس لئے اس حوالہ سے عرض ہے کہ اجماع سے قطعیت اس وقت ثابت ہوگی جب اجماع قطعی ہوگا اور اجماع قطعی وہ اجماع ہوتا ہے جو نقل متواتر سے ہم تک پہنچا ہو جیسا کہ کتب اصول سے ثابت ہے:

”الاجماع القطعی کا الاجماع الغیر السکوتی المنقول بطریق التواتر۔“ (شرح نخبة الفکر، صفحہ: ۴۴۳)

جب یہاں یہ شرط نہیں پائی جاتی تو اس سے قطعیت ہرگز ثابت نہیں کی جا سکتی۔ نیز شروع سے آج تک مسئلہ افضلیت اختلافی چلا آ رہا ہے۔ کسی دور میں بھی کسی ایک ہستی کی افضلیت پر اجماع نہیں ہوا۔ صحابہ کرام، تابعین عظام اور اتباع تابعین رضی اللہ عنہم میں اس حوالے سے مختلف نظریات پائے جاتے تھے جس کی تفصیل آپ زیر نظر کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض کتب میں یہ صراحت ہے کہ حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع ہوا ہے۔ جواباً عرض ہے کہ بعض اوقات اکثریت کے قول کو بھی اجماع کہہ دیا جاتا ہے حالانکہ وہ سب کا اتفاق و اجماع نہیں ہوتا۔ مثلاً فقہ حنفی کی معروف کتاب ہدایہ شریف میں ہے کہ امام کے پیچھے قرات کے منع ہونے پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔

علیه اجماع الصحابه۔ (ھدایہ اولین صفحہ: ۱۲۰)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قرات خلف الامام کو جائز سمجھتے ہیں اس لئے محشی لکھتے ہیں اگر اجماع صحابہ رضی اللہ عنہ ہوتا تو امام شافعی کو ضرور اس کا علم ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ صاحب ہدایہ بھی جانتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اجماع صحابہ نہیں ہوا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صاحب ہدایہ نے اجماع کا دعویٰ کیوں فرمایا۔ محشی اس موقع پر علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ۸۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے منع قرات کا ذکر کر کے توجیہ فرماتے ہیں:

سماه اجماعا باعتبار الاكثر و قد روى منع القراة عن ثمانين نفرا من الصحابة۔

مفہوم یہ ہے کہ قرات خلف الامام کے منع ہونے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تو نہیں ہوا۔ البتہ ۸۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کی ممانعت منقول ہے۔ اس لیے اکثریت کا اعتبار کرتے ہوئے صاحب ہدایہ نے اسے اجماع قرار دیا ہے۔ افضلیت سے متعلق اجماع کا معنی بھی یہی ہے کہ یہ اکثر کا قول ہے۔ جیسا کہ ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ لعلہ اراد بالاجماع اجماع اکثر اہل السنۃ والجماعۃ یعنی امام ابو منصور بغدادی نے افضلیت پر اجماع کا جو قول کیا ہے اس سے مراد اکثر اہلسنت کا اتفاق ہے۔ (شرح فقہ اکبر صفحہ ۲۶)

یہاں یہ بات بھی ذہین نشین رہنی چاہیے کہ اجماع اس وقت قطعیت کا فائدہ دیتا ہے جب اس کے خلاف کوئی بھی روایت موجود نہ ہو حتیٰ کہ اگر روایت شاذ بھی اجماع کے خلاف آ جائے تو بھی وہ ظنیت پیدا کر دیتی ہے اور اجماع سے قطعیت ثابت نہیں ہو سکتی۔

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”علم اصول فقه مقرر و مبرهن شده است اجماع دلیل قطعی است و لیکن نه بجمیع انواع و اقسامش بلکه قطعی آں قسم است که در آنجا خلاف اصلا نبود و آنکه دزوے خلافے بود اگرچه شاذ و نادر باشد ظنی بود و از قطعیت بر آید۔ (تکمیل الایمان صفحہ ۶۱)

اور مسئلہ زیر بحث میں اجماع ہوا ہی نہیں۔ صحابہ کرام و تابعین رضی اللہ عنہم میں مختلف نظریات پائے جاتے تھے۔ احادیث مبارکہ میں تعارض بھی موجود

ہے۔ اس قدر اختلاف کے باوجود کیسے قطعیت کا قول درست قرار دیا جا سکتا ہے۔ آپ تفصیل اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ سردست ہم آپ کے سامنے رد روافض میں لکھی جانے والی ایک اہم کتاب کے اقتباسات پیش کر رہے ہیں۔

ملا علی قاری کی تحقیق:

مُلا علی قاری حنفی اپنی تصنیف "شم العوارض فی ذم الروافض" میں افضلیت کی بحث میں لکھتے ہیں:

قول جمهور اهل السنة ان ابا بکر افضل۔

"جمہور اہل سنت کے نزدیک جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔"

امام عبدالبر کی رائے:

امام ابن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیات مبارکہ میں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وفات پائی وہ سب سے افضل ہیں۔ وقال بعض المشائخ:

ان علیا فی آخر امره و انتهاء عمره صار افضل من ابی بکر وغیره لزیادة المکاسب العلمیة والمراتب المعلمیة۔

بعض مشائخ اہلسنت کا مذہب ہے کہ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم اپنی آخری عمر مبارک کے حصے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر

صحابہ سے افضل ہو گئے تھے کیونکہ آپ سے بعد میں علمی کمالات زیادہ ظاہر ہوئے اور آپ کے علوم سے زیادہ لوگ مستفیض ہوئے ان تمام اختلافات کا ذکر کرنے کے بعد ملا علی قاری ایک فیصلہ کن عبارت تحریر کرتے ہیں:

فهذا الاختلاف بين الطوائف الاسلامية دليل صريح على ان مسالة التفضيل ليست من الامور القطعية لان الاحاديث المروية مع كونها ظنية متعارضة مائعة من كونها من الامور القطعية على انه ليس فيها تصريح بان افضلية من اى الحيثية ليعلم انه بمعنى الاكثر ثوابًا عند الله فى العقبى او بمعنى الا علمية مآبا عند الخلق فى الدنيا فترك الغور فى هذا المبحث هو الاولى لان المدار على طاعة المولٰى ولقوله تعالٰى تلك امة قد خلت لها ما كسبت ولكم ما كسبتم ولا تسئلون عما كانوا يعملون۔ (البقرة، آیت: ۱۳۴) اى بل تسالون عن تحسين اعمالكم و تنزيين احوالكم ولقوله عليه الصلٰوة والسلام ان من حسن اسلام المر تركه ما لا يعنيه۔

(ثم العوارض، صفحہ: ۱۰۷ تا ۱۱۰، مطبوعہ دار الاثریۃ اردن ۲۰۰۸)

خلاصۂ کلام:

خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ مسلمانوں کے مختلف گروہوں کے درمیان

مسئلہ تفضیل میں اختلاف اس بات کی روشن اور کھلی دلیل ہے کہ مسئلہ افضلیت قطعی نہیں ہے۔ فضائل میں آنے والی احادیث ظنی الدلالۃ ہیں ایک دوسرے سے متعارض بھی ہیں جو مسئلہ کو قطعی ہونے سے روک رہی ہیں۔ نیز ان روایات میں یہ وضاحت بھی نہیں فرمائی گئی کہ کون کس حیثیت سے افضل ہے۔ جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ آخرت میں کس کے اعمال کا اجر وثواب اللہ پاک کے نزدیک زیادہ ہوگا یا مخلوق کو یہ پتہ چل سکے کہ دنیا میں کس کے اعمال کا زیادہ ثواب ہے۔

لٰہذا اس میں بحث و مباحثہ چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہے۔ اس لئے کہ افضلیت کا دارومدار خالق کی اطاعت پر ہے وہ زیادہ بہتر جانتا ہے کس نے اس کی اطاعت زیادہ کی ہے۔ ان برگزیدہ ہستیوں کے بارے میں ہم سے نہیں پوچھا جائے گا۔ ہر بندے نے اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا لٰہذا اپنے اعمال کی فکر کرنی چاہیے۔ اپنا محاسبہ کرنا چاہیے اور اس قسم کی بحثوں سے اجتناب کرنا چاہیے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے آخری فیصلہ دیا ہے کہ اس مسئلہ میں غور وفکر اور بحث و گفتگو سے پرہیز کرنی چاہیے۔ بعض صوفیاء نے اسی مسلک کو اختیار فرمایا ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فان قبلت النصح فامسک عن التصرف فی امرھم

واجعل محبتک لکل علی السواء وامسک عن

التفضیل وان خامر باطنك فضل احدهم علی الآخر فاجعل ذالك من جملة اسرارك فلا یلزمك اظهاره ولا یلزمك ان تحب احدهم اکثر من الآخر بل یلزمك محبة الجمیع والاعتراف بفضل الجمیع و یکفیك فی العقیدة السیلمة ان تعتقد صحة خلافة ابی بکر و عمر و عثمان و علی رضی الله عنهم۔

''اگر تم میری نصیحت قبول کرو تو صحابہ کرام کے معاملے میں دخل دینے سے اجتناب کرو۔ ان میں سے ہر ایک ہستی سے برابر محبت کرو اور انہیں ایک دوسرے پر فضیلت دینے سے باز آ جاؤ اگر کسی ایک کی فضیلت کا تمہارے دل پر غلبہ ہے تو اس کو اپنے دل کا راز بنا لو اس کا اظہار تمہارے لئے ضروری تو نہیں ہے اور یہ بھی لازمی نہیں ہے کہ تم ایک دوسرے کے مقابلے میں ان سے محبت زیادہ رکھو۔ بلکہ تمہارے لئے لازم ہے کہ تم سب سے محبت رکھو سب کی فضیلت و بزرگی کو تسلیم کرو اور صحیح عقیدہ کے لئے اتنا کافی ہے کہ تم حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی خلافت کے درست ہونے کا اقرار کرو۔ ان کی خلافتوں کو برحق تسلیم کرو۔'' (اعلام الہدیٰ، صفحہ:۵۳)

اعلام الہدیٰ کا ترجمہ ایک سو تین سال پہلے ۱۳۳۰ھ میں مطبع قیصری

دہلی سے عربی متن کے ساتھ چھپا تھا۔ ہم نے اس قدیم عربی متن سے یہ اقتباس لیا ہے۔ نیز حاشیہ نمبر اس میں قاضی برخوردار ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ: ۴۸۷ پر یہ عبارت نقل فرمائی ہے۔

اس حوالے سے سلسلہ عالیہ چشتیہ کے عظیم روحانی پیشوا حضرت قطب دکن بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان بھی ملاحظہ فرمایئے۔ آپ فرماتے ہیں:

"ایک مسئلہ جو زیادہ طول پکڑ گیا ہے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت کا مسئلہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عند اللہ جس صحابی کو جو فضیلت حاصل ہے کسی کو اس کا علم نہیں ہے۔ بس ہر شخص اپنے دلائل پیش کرتا ہے لیکن دلائل سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا۔" (شرح جوامع الکلم، صفحہ: ۱۹۸)

حضرت بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۸۲۵ھ میں ہوا ہے اور آپ نے اس مسئلہ میں توقف کو ترجیح دی ہے۔ سکندر نامہ حضرت نظامی گنجوی رحمۃ اللہ علیہ عرصۂ دراز تک درس نظامی کے نصاب میں شامل رہا ہے۔ اس کے ایک شعر کی شرح میں بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ محققین کے ایک طبقہ کے نزدیک مساوات اور عدم تفضیل کا مذہب راجح ہے۔ ملاحظہ فرمایئے مساوات و عدم تفضیل یکے بر دیگرے ہمیں مذہب اہل تحقیق است۔ (سکندر نامہ صفحہ: ۱۵)

فتویٰ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے سوال ہوا کہ حضرت مولا

علی کرم اللہ وجہہ کو شیخین سے افضل ماننے والے کی اقتداء میں نماز درست ہے یا نہیں تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

تفضیلیہ دو قسم کے ہیں: ایک قسم وہ لوگ ہیں جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شیخین رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے ہیں مگر شیخین کی محبت و تعظیم میں نہایت سرگرم ہیں اور شیخین کے مناقب و مدائح بیان کرنے اور ان کے طریقہ اور روش کی اتباع کرنے، شیخین کے اقوال و افعال پر عمل کرنے میں نہایت مستعد اور راسخ قدم ہیں جیسا کہ اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرات شیخین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ان اُمور میں جو مذکور ہوئے ہیں فضیلت ہے مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت اور پیار میں نہایت سرگرم ہیں اور آپ کے قول و فعل پر عمل کرنے میں نہایت مستعد ہیں۔ تفضیلیہ کی یہ قسم اہل سنت میں داخل ہے۔ البتہ ان لوگوں نے مسئلہ تفضیل میں خطا کی ہے اور اس مسئلہ میں ان لوگوں کا جمہور اہلسنت سے اختلاف ایسا ہی سمجھنا چاہیے جیسا اشعریہ ماتریدیہ میں اختلاف ہے۔ اس قسم کے تفضیلیہ کی امامت جائز ہے اور اہل سنت کے بعض علماء وصوفیاء اسی روش پر ہوئے ہیں۔ مثلاً عبدالرزاق محدث اور سلمان فارسی اور حسان بن ثابت اور بعض دیگر صحابہ کا ایسا ہی خیال تھا۔

(فتاویٰ عزیزی فارسی صفحہ: ۱۸۳)

اس فتویٰ سے چند امور ثابت ہوئے:

 حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ سے شیخین کریمین کو افضل جاننا جمہور اہلسنت کا مذہب ہے۔ جمہور اہلسنت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مفضول

مانتے ہوئے آپ سے عقیدت ومحبت رکھتے ہیں۔

☆ بعض صحابہ، اولیاء وصوفیاء پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل سمجھتے رہے ہیں اور شیخین سے محبت وعقیدت کا اظہار فرماتے رہے۔

☆ ان دونوں گروہوں کا آپس میں اس مسئلہ میں اختلاف اشعری ماتریدی اختلاف کی طرح ہے کوئی بھی ان میں سے بدعتی و گمراہ نہیں ہے۔

☆ جو شخص تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حسن عقیدت رکھتا ہو اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو ان سے افضل سمجھتا ہو وہ اہلسنت ہے صحابہ و اولیاء کا پیروکار ہے۔

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ:

امام اہل سنت، مجدد دین وملت، الشاہ امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ سید کی تعظیم وتوقیر کے متعلق ارشاد فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ سید تفضیلی ہو، تب بھی اس کی تکریم واحترام لازمی اور ضروری ہے۔

ملاحظہ فرمایئے!

سوال: ایک شخص سیّد ہے لیکن اس کے اعمال و اخلاق خراب ہیں اور باعث ننگ و عار ہیں تو اس سیّد سے اس کے اعمال کی وجہ سے تنفر رکھنا اور نسبی حیثیت سے اس کی تکریم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس سیّد کے مقابل

کوئی غیر مثل شیخ، مغل، پٹھان وغیرہ وغیرہ کا آدمی نیک اعمال ہو تو اس کو اس سید پر بحیثیت اعمال کے ترجیح ہو سکتی ہے کہ نہیں؟ شرح شریف میں ایسی حالت میں اعمال کو ترجیح ہے کہ نسب کو؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

سید سنی المذہب کی تعظیم لازم ہے اگرچہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں۔ ان اعمال کے سبب اس سے تنفر نہ کیا جائے نفس اعمال سے تنفر ہو بلکہ اس کے مذہب میں بھی قلیل فرق ہو کہ حد کفر تک نہ پہنچے جیسے تفضیل تو اس حالت میں بھی اس کی تعظیم سیادت نہ جائے گی۔ ہاں اگر اس کی بدمذہبی حد کفر تک پہنچے جیسے رافضی، وہابی، قادیانی، نیچری وغیرہم تو اب اس کی تعظیم حرام ہے کہ جو وجہ تعظیم تھی یعنی سیادت وہی نہ رہی۔

قال اللہ تعالٰی:

انہٗ لیس من اھلك انہٗ عمل غی صالح

(القرآن الکریم، سورۂ ہود، آیت:۴۶)

اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا:

"اے نوح (علیہ السلام) یعنی تیرا بیٹا تیرے خاندان اور گھرانے والوں میں سے نہیں اس لیے کہ اس کے کام اچھے نہیں۔" (ت)

شریعت نے تقویٰ کو فضیلت دی ہے:

ان اکرمکم عند اللہ اتقکم۔

(القرآن الکریم، سورۃ الحجرات، آیت:۱۳)

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ
باعزت وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔“
(ت)

مگر یہ فضل ذاتی ہے۔ فضل نسب منتہائے نسب کی افضلیت پر ہے۔ سادات کرام کی انتہائے نسب حضور سید عالم ﷺ پر ہے۔ اس فضل انتساب کی تعظیم ہر متقی پر فرض ہے کہ وہ اس کی تعظیم نہیں حضور اقدس ﷺ کی تعظیم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (حوالہ جلد ۲۲ صفحہ ۴۲۳)

گولڑہ شریف کا فتویٰ:

دربار عالیہ گولڑہ شریف میں صدر مدرس و مفتی حضرت شیخ الحدیث مشتاق احمد چشتی مدظلہ العالی سابق شیخ الحدیث انوار العلوم ملتان سے جب مسئلہ تفضیل کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے سجادہ نشین حضور پیر سید شاہ عبدالحق گیلانی مدظلہ العالی کے ارشاد پر درج ذیل فتویٰ عنایت فرمایا۔

تاریخ ۲۱ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ

حسب ارشاد قبلہ پیر سید شاہ عبدالحق صاحب مدظلہ

☆ ہم جمہور اہلسنت کے مسلک کے مطابق تفضیل شیخین کے قائل ہیں البتہ اگر کوئی شخص خلفاء ثلاثہ کے فضائل مانتے ہوئے حضرت سیدنا

علی کرم اللہ وجہہ کو فضیلت دیتا ہے تو ہم اسے اہلسنت والجماعت سے خارج نہیں سمجھتے کیونکہ صحابہ کرام و اہلبیت اطہار رضی اللہ عنہم اجمعین میں ایسے بزرگوں کے نام ملتے ہیں جو حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ کو تمام صحابہ سے افضل مانتے تھے۔

(ملاحظہ ہو، مناقب الائمۃ الاربعہ، شیخ ابوبکر باقلانی صفحہ: ۳۰۶)

☆ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں اور الصحابۃ کلھم عدول فی الروایۃ کے حکم میں داخل ہیں۔

مشتاق احمد

دارالافتاء جامع غوثیہ مہریہ، گولڑہ شریف

سابق: شیخ الحدیث انوار العلوم ملتان

☆☆☆

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وہ عظیم شخصیت ہیں جن کے علم و فضل کو اپنے بیگانے تسلیم کر لیتے ہیں۔ مولانا موصوف نے بھی عمدۃ التحقیق میں جابجا ان کے حوالہ جات بھی توڑ موڑ کر پیش کیے ہیں۔ اس کے علاوہ گولڑہ شریف کا فتویٰ حضرت جانشین مجدد گولڑوی قدس سرہ العزیز مسند آرائے گولڑہ شریف پیر سید شاہ عبدالحق گیلانی مدظلہ العالی سے اجازت شدہ ہے۔ لہٰذا اس سے پہلے کہ اگر دربار عالیہ کے متعلقین میں سے کسی کے فتوے پیش کیے جائیں تو وہ منسوخ ہوں گے اور موجودہ فتوی قابل تسلیم ہو گا موجودہ مشائخ کرام کی اجازت سے مفتی صاحب نے یہ فتویٰ دیا ہے۔

کیا مسئلہ افضلیت اتفاقی ہے؟

ہمارے بعض مہربان عوام الناس کو دھوکہ دیتے ہوئے فوراً یہ نعرہ بلند کر دیتے ہیں کہ جی ایک اتفاقی مسئلہ کو چھیڑنے کی ضرورت کیا تھی؟ ہم گذارش کرتے ہیں کہ مسئلہ ہم نے چھیڑا ہی نہیں ہے۔ ہمارے علمائے حق تو ہمیشہ اتحاد اہل سنت کے لئے مصروف عمل رہے ہیں، اس مسئلہ میں شدت آغاز فریق مخالف کے مقررین اور خطباء نے شروع کیا ہے ہم اپنے اس موقف پر قائم ہیں کہ جمہور اہل سنت کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات پاک بعد از انبیاء سب سے افضل ہے اور ہم بھی اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ کھڑے ہیں تاہم یہ بات بھی حقائق کی روشنی میں قابل تسلیم ہرگز نہیں ہے کہ کسی دوسرے بزرگ اور صاحب فضلیت ہستی کی تقدیم اور افضلیت کا قائل بدعتی اور خارج از اہل سنت ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہلبیت اطہار رضی اللہ عنہم وہ مقدس ہستیاں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار نسبتوں کی وجہ سے تمام امت میں بلند تر مقام عطا فرمایا ہے۔ انھوں نے اپنی مقدس آنکھوں سے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرۂ انور کی

زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔ اپنی جان اپنے اموال اور اولاد جیسی متاع عزیز کو اللہ کے محبوب کی خدمت کے لئے قربان کیا ہے، صحابہ کرام ہی وہ مقدس ہستیاں ہیں جن کی برکت سے ہم تک دین پہنچا ہے۔ حضور ﷺ کے کسی بھی صحابی سے بغض رکھنے والا بدبخت شخص یقیناً جہنمی ہے، اسی طرح اہلبیت پاک کا بے ادب اور گستاخ بھی یقیناً بدبخت اور ولد زنا ہے جیسا کہ احادیث مبارکہ میں اس کا بیان موجود ہے۔

حضور ﷺ نے مختلف مواقع پر اپنے صحابہ واہلبیت کے بارے میں مختلف ارشادات فرمائے ہیں اور بعض کی خصوصی فضیلت کا اعلان بھی فرمایا ہے۔ تاہم یہ بات چیلنج کے طور پر کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی ایک حدیث بھی ایسی نہیں پیش کی جاسکتی جس میں آپ نے یہ فرمایا ہو کہ فلاں کو افضل ماننا ثواب ہے اور فلاں کو افضل نہ ماننے والا گنہ گار ہے یا بدعتی ہے یا اہل سنت سے خارج ہے، حیرت تو یہ ہے کہ بات بات پر قرآن وسنت کا نام لینے والے اتنی شدت کیوں کرتے ہیں، جب خدا کے رسول نے کسی کی بھی افضلیت مطلقہ کو متعین نہیں فرمایا اور کسی کو افضل ماننا دین اسلام کا عقیدہ قرار نہیں دیا تو پھر کیسے یہ فتویٰ درست ہوسکتا ہے کہ فلاں کو افضل نہ جاننے والا بدعت کا مرتکب ہے یعنی جہنمی ہے۔

اس فتویٰ کا خطرناک نتیجہ

جو لوگ تفضیل سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے قائلین کو بدعتی کہتے ہیں درحقیقت وہ ان اہل ایمان کو جہنمی کہہ رہے ہوتے ہیں کیونکہ حدیث مبارکہ کی روشنی میں ۷۲ فرقوں میں سے ایک جماعت جنتی ہے اور وہ جنتی گروہ اہل سنت کا ہے، جب کسی کو اہل سنت سے خارج کہا جاتا ہے گویا اس کو جہنمی فرقوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

یہ فتویٰ بڑا خطرناک اس لئے ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہلبیت اطہار اور تابعین و تبع تابعین نیز کثیر تعداد میں اولیاء کرام حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

اختلاف بیان کرنے سے پہلے ہم یہ وضاحت کر دیتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ کو افضل کہتا ہے اور یہ نظریہ رکھتا ہے کہ افضل ہونے کی وجہ سے آپ خلافت کے زیادہ حقدار تھے اور خلفاء ثلاثہ نے آپ کی حق تلفی کی ہے آپ کا حق نہیں دیا اور غاصبانہ طور پر خلافت پر قبضہ کر

لیا تو ایسا شخص یقیناً بدعتی ہے۔ اہل سنت سے خارج ہے کیونکہ اہل سنت کے نزدیک خلفائے راشدین میں سے ہر ایک کی خلافت برحق ہے اور سب خلافت کے حقیقی اہل تھے۔ خلفائے راشدین حضرت سیدنا ابوبکر صدیق، حضرت سیدنا عمر فاروق، حضرت عثمان غنی ذوالنورین، حضرت سیدنا علی مرتضیٰ، حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین اور نائب ہیں۔ ان سب کی خلافتیں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی مصداق ہیں۔ لہٰذا اگر درجنوں کتابوں میں سے یہ عبارت کوئی پیش کرے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا قائل بدعتی ہے تو اس کا وہی مطلب ہے کہ بدعتی تب ہو گا جب دوسروں کی خلافتوں کو درست نہ سمجھے۔ ان کی محبت و عقیدت سے اس کا قلب محروم ہو، ان کو رسول خدا کا نائب نہ سمجھتا ہو تو ایسا شخص بدعتی ہے جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت فرمادی ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ فتاویٰ عزیزی کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو مسئلہ کا بہترین حل سامنے آجاتا ہے۔

مگر ہم کیا کریں۔ یار لوگ اس فتویٰ کی بھی حسب عادت تاویل کر دیتے ہیں اور کچھ لوگ تو اس فتویٰ سے بوکھلا کر فوراً یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ فتویٰ ہی الحاقی ہے۔ اگر یوں ہی ہے تو ہم بھی بڑی جرات کے ساتھ کہتے ہیں کہ فقہ کی کتابوں میں جہاں بھی من فضل علیا فھو مبتدع کا فتویٰ ہے یہ الحاقی عبارت ہے ورنہ اتنے بڑے بڑے فقہاء کبھی بھی صحابہ و تابعین کی جماعت کے افراد کو بدعتی کہنے کے جرم کا ارتکاب نہ کرتے۔ جس فتویٰ کی روشنی میں

کثیر تعداد میں صحابہ کرام، تابعین عظام، اولیاء کرام پر بدعت کا الزام آتا ہو وہ فتویٰ الحاقی ہی ہو سکتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ میں یہ بات موجود ہے کہ بعض صحابہ، تابعین اور اولیاء کرام حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ کو افضل مانتے تھے۔ یہ فتویٰ درج کیا جا چکا ہے۔

الریاض النضرۃ کا اہم حوالہ:

جیسا کہ پہلے یہ بات گذر چکی ہے کہ مسئلہ تفضیل میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے، آئندہ اوراق میں ہم مزید حوالہ جات سے اپنے اس موقف کو ثابت کرنے والے ہیں تاہم سب سے پہلے علامہ محبّ الدین طبری رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب ''الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ'' کا حوالہ پیش کیا جا رہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا موصوف نے عمدۃ التحقیق کی دونوں جلدوں میں درجنوں مقامات پر الریاض النضرۃ کی عبارات سے استدلال کیا ہے بلکہ اگر یوں کہہ دیا جائے کہ عمدۃ التحقیق کا سب سے بڑا ماخذ الریاض النضرۃ اور الصواعق المحرقہ ہی ہیں تو یقیناً درست ہے۔

جو اہل علم تحقیقی ذوق رکھتے ہیں وہ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ جس کتاب کے سب سے بڑے ماخذ الریاض النضرۃ اور الصواعق المحرقہ ہیں اس کتاب کو یقیناً عمدۃ التحقیق ہی کہا جا سکتا ہے اور مصنف کے علم و تحقیق کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے، بہرکیف ہمیں علامہ محبّ طبری اور الریاض النضرۃ کی توثیق کے لئے زیادہ محنت کی ضرورت اس لئے نہیں پڑی کہ مولانا

صاحب نے خود ہی ببانگ دھل توثیق بھی کر دی ہے اور اس کتاب اور صاحب کتاب کے حوالے سے اتنا کچھ لکھ دیا ہے کہ اب ہم صرف اگر اس کی عبارت ہی پیش کر دیں تو کافی ہے۔ صرف ایک مقام سے ہم عبارت لکھ رہے ہیں۔ موصوف نے تاریخ بغداد مصنفہ خطیب بغدادی اور الریاض النضرۃ میں تقابل کرتے ہوئے الریاض النضرۃ کی فوقیت بیان کی ہے اور خطیب بغدادی کو نیچا دکھانے کی سعی لاحاصل کرتے ہوئے لکھا ہے:

''حضرت عباس کے عقیدے کا ماخذ تاریخ بغداد ہے جس کا مولف اور مصنف خطیب بغدادی ہے۔ اب فیصلہ کرنے میں یوں آسانی ہوگی کہ ایک طرف تاریخ کی کتاب ہے۔ اس کا رائٹر مورخ ہے اور دوسری طرف کعبہ شریف کے امام ہیں۔ طبرستان سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ تشریف لائے اور دنیائے ایمان و اسلام کی آماجگاہ انوار و تجلیات کی جلوہ گاہ رحمت و بخشش کی درسگاہ کعبۂ معظّمہ کے امام اعلیٰ ہیں۔ جب محبّ الدین طبری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الریاض النضرۃ اتنی جلالت شان کی حامل ہے تو اس کا حوالہ بھی ناقابل تردید اور ناقابل چیلنج ہوگا پھر اس کو ماننا ہی تقاضائے عقل و ایمان ہوگا جبکہ دوسری طرف تاریخ کی کتاب ہے جو قابل چیلنج ہے۔''

(عمدۃ التحقیق: جلد دوم ص ۹۰)

ایک مختصر تبصرہ:

نقشبندی صاحب کے اس بے جان استدلال میں جو وزن ہے وہ تو سب کے سامنے ہے۔ اسی لئے ہم نے شروع میں عرض کر دیا تھا کہ ہم اس کتاب کا جواب اس لئے لکھ رہے ہیں کہ نقشبندی صاحب اور ان کے حامیوں کی یہ غلط فہمی دور ہو جائے کہ یہ کتاب لاجواب ہے۔ بہرحال موصوف کے نزدیک الریاض النضرۃ ایک ایسی کتاب ہے جس کا ہر حوالہ ناقابل تردید ہے اور ناقابل چیلنج بھی ہے اور عقل و ایمان اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ اس کتاب کا ہر حوالہ آنکھیں بند کر کے قبول کر لیا جائے۔ البتہ اتنی گذارش ضرور ہے کہ نقشبندی صاحب نے اپنی عمدۃ التحقیق میں چند مقامات پر مولانا محمد علی نقشبندی لاہوری کی ایک کتاب میزان الکتب کے حوالہ جات دیئے ہیں۔

نقشبندی صاحب کاش میزان الکتب کا تفصیلی مطالعہ کر لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ ان کے معتمد اور محقق مولانا محمد علی مرحوم نے تو کعبے کے اس امام کو متنازع شخصیت ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور اس کتاب الریاض النضرۃ کو مشکوک قرار دیا ہے اس کی بعض روایات کا سرے سے انکار کر دیا ہے، حالانکہ عمدۃ التحقیق والے کے نزدیک ایمان و عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ الریاض النضرۃ کی باتوں کو فوراً قبول کر لینا چاہئے۔ لہٰذا جو آدمی بھی الریاض النضرۃ کی عبارتوں کا منکر ہو گا وہ عقل و ایمان کی دولت

سے محروم ہوگا۔ اب مولانا پر ہم فیصلہ چھوڑتے ہیں کہ وہ میزان الکتب کے مصنف کو کس کھاتے میں ڈالتے ہیں۔ ہم نقشبندی صاحب کے فتویٰ کا انتظار کریں گے کہ محبّ طبری رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دینے کے بعد میزان الکتب والے کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ علمائے دین ومفتیان شرع متین، بینوا توجروا

یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر
اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر

نیز اگر مولانا موصوف کے نزدیک حضرت طبری رحمۃ اللہ علیہ کی ہر بات اس لئے ناقابل تردید ہے کہ وہ طبرستان سے ہجرت کر کے خانہ کعبہ کے مرکز انوار وتجلیات میں رحمت و بخشش کی درسگاہ میں تشریف لائے تو علامہ زمخشری کے بارے میں کیا فرمایا جائے گا جن کو خانۂ کعبہ میں عرصۂ دراز تک معتکف رہنے کی وجہ سے جارُ اللہ کا لقب دیا گیا یعنی اللہ تعالیٰ کا پڑوسی!

مولانا کے استدلال کے مطابق تو زمخشری کا ہر حوالہ ناقابل تردید بھی ہونا چاہئے اور اس کو ماننا عقل وایمان کا تقاضا بھی ہونا چاہیے۔

دو گونہ رنج و عذاب است جانِ مجنوں را
بلائے صحبتِ لیلیٰ و فرقتِ لیلیٰ

آمدم برسرِ مطلب

ہم نے قارئین کی دلچسپی کے لئے یہ باتیں اس لئے کی ہیں کہ ہم نے مقدمہ میں وعدہ کیا تھا کہ ہم موصوف کی مسلمہ کتابوں سے حوالہ جات

پیش کریں گے جو قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوں گے۔ وعدہ پورا کرنے کے بعد ہم اصل مطلب کی طرف آتے ہیں کہ عظیم محدث حضرت امام محبّ الدین طبری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف مبارک الریاض النظرۃ میں مسئلہ افضلیت کے اختلافی ہونے کا بیان کرتے ہیں۔ مولانا سے عرض ہے کہ آپ تسلیم کر چکے ہیں کہ طبری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ جات نا قابل تردید ہیں۔ اس لئے تسلیم کر لیں کہ مسئلہ اختلافی ہے اور رہا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ امام محبّ طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"الفصل السابع فی افضلیتہٖ"

ساتویں فصل حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی افضلیت کے بیان میں افضلیتہ میں ضمیر کا مرجع مولا علی کی ذات ہے کیونکہ یہ باب رابع کی فصل ہے اور باب رابع مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے مناقب میں ہے۔ عبارت مکمل یوں بنے گی۔ الباب الرابع فی مناقب امیر المؤمنین علی بن ابی طالب الفصل السابع فی افضلیتہٖ۔ یہ عبارت کتاب کے دونوں صفحات کے سرورق پر موجود ہے۔

اب پوری عبارت ملاحظہ فرمائیے:

"وقد اجمع اهل السنة من السلف والخلف من اهل الفقهِ والاثر ان علیا افضل الناس بعد عثمان هذا مما لم یختلف فیه وانما اختلفوا فی علی و عثمان واختلف ایضًا بعض السلف فی علی و ابی بکر"

(الریاض النضرہ جزو۴، ص ۱۵۵)

”اہلسنت کے سلف و خلف اہل فقہ و اثر کا اتفاق ہے کہ
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے
افضل ہیں۔اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور اختلاف
علی و عثمان رضی اللہ عنہما میں ہے کہ ان دو میں سے افضل کون ہے
اور بعض سلف نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ و حضرت ابو بکر
صدیق رضی اللہ عنہ میں بھی اختلاف کیا ہے۔“

ہمارا محلِ استدلال:

محبّ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اختلف بعض السلف فی علی و ابی بکر کہہ کر واضح کر دیا ہے کہ سلف صالحین میں سے بعض حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے تھے اور بعض کے نزدیک مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم افضل تھے۔سلف سے مراد صحابہ تابعین اور تبع تابعین ہیں۔مطلب یہ ہے کہ بعض صحابہ اور تابعین بھی حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل مانتے تھے اور سلف صالحین کا اس مسئلہ میں اختلاف موجود رہا ہے۔

کس قدر ظلم ہے:

کعبہ شریف کے امام محبّ طبری رحمۃ اللہ علیہ تو بیان کر رہے ہیں کہ یہ مسئلہ صحابہ و تابعین کے زمانے میں بھی اختلافی تھا مگر مولانا موصوف نے نہایت دلیری کے ساتھ حقائق کا انکار کرتے ہوئے لکھ دیا ہے کہ پانچویں

صدی میں ۴۶۳ ہجری میں یہ اختلاف ہوا ہے جبکہ صحابہ کے دور میں اتفاقی مسئلہ تھا۔ نقشبندی کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

''یہ اختلاف ۴۶۳ھ میں رونما ہوا جبکہ دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں افضلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مسئلہ متفق علیہ تھا۔ اسی طرح تابعین اور تبع تابعین کے ادوار میں بھی متفق علیہا رہا ہے۔'' (عمدۃ التحقیق، ج اول ص ۴۱۸)

یہ موصوف کا اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ خدا کی پناہ۔ امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے الاستیعاب میں ذکر کیا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف تھا اور بعض صحابہ کرام حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو دوسرے صحابہ سے افضل سمجھتے تھے۔ حضرت سلمان فارسی، حضرت ابوذر غفاری، حضرت مقداد بن الاسود، حضرت خباب بن الارت، حضرت جابر بن عبداللہ انصاری، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہم حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتے تھے۔

امام ابن عبدالبر کا وصال 463ھ میں ہوا ہے اس سے نقشبندی صاحب نے یہ سمجھ لیا کہ یہ اختلاف 463ھ میں ہوا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ اس سے ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا کتنے بڑے محقق ہیں۔ افسوس تو ان لوگوں پر ہے جنہوں نے دیکھے پڑھے بغیر اس کتاب کو پذیرائی بخشی اور اتنی زحمت بھی گوارا نہ کی کہ یہ دیکھ لیا جائے اس کتاب میں کیا کیا گل کھلائے گئے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے بغض نے ان لوگوں کو اندھا کر دیا ہے۔ حقائق کو تسلیم کرنا ان کے لئے وبالِ جان کا باعث ہے۔

مقام علی رضی اللہ عنہ بزبانِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

الریاض النضرۃ کے ذکر کے وقت مناسب ہے کہ ایک اور روایت پیش کر دی جائے جس سے مولائے کائنات سیدنا علی بن طالب رضی اللہ عنہ کی فضیلت و شان نکھر کر سامنے آ جائے گی۔ طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے چھ دنوں کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ و حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کے لئے آ رہے تھے۔ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا۔ اے خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ آگے چلیں مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مولا علی رضی اللہ عنہ کے آگے چلنے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

ما کنت لا تقدم رجلا سمعت رسول اللہ یقول فیہ
علی منی بمنزلتی من ربی۔"

"میں اس شخص سے آگے کیسے چلوں جس کے بارے
میں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے
کہ علی کا میرے نزدیک وہ مقام ہے جو میرا اپنے رب
کے نزدیک مقام ہے۔"

ظاہر ہے کہ تمام مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے ہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا مقام سب سے افضل ہے۔

امام کعبہ حضرت محبّ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ روایت نقل فرمائی ہے اس سے معلوم ہوا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہ و اہلبیت سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ اس روایت کے بیان کرنے والے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس روایت کی روشنی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اپنے آپ سے افضل سمجھتے تھے۔ مولانا موصوف کے مشورے کے مطابق اس روایت کو مان لینا ہی عقل و ایمان کا تقاضا ہے۔ لہٰذا جو لوگ افضلیت علی رضی اللہ عنہ کے قائل کو اہل سنت سے خارج ہونے کا سرٹیفکیٹ جاری کرتے ہیں ان کے نزدیک تو جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سنت خطرے میں ہوگی۔ بالخصوص مولانا موصوف کے لئے تو یہ پریشانی ہوگی کہ وہ کعبہ کے امام محبّ طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مقابلے میں خطیب بغدادی جیسے لوگوں کے بیان کو اہمیت نہیں دیتے۔

کیا عجب گل کھلا؟

عمدۃ التحقیق کے مصنف نے جہاں اپنے قلم سے حقائق کو مسخ کرنے کی سعی کی ہے وہاں خلاف حقیقت گفتگو کا سہارا بھی پوری آب و تاب سے لیا ہے مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے بزرگ ہیں۔ عمدۃ ص 209 (حوالہ عمدۃ التحقیق ج اول 2009ء) حالانکہ تاریخ اسلام کے عام طالب علم بھی جانتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مولا علی کرم

اللہ وجہہ الکریم کے شاگرد ہیں۔ مولا علی کرم اللہ وجہہ کے شاگردوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ ابن عباس سرفہرست ہیں۔ لیکن نقشبندی صاحب نے شاگرد کو اپنے استاد کا بزرگ بنا دیا۔ اپنی ''حکمتِ عملی'' سے کام لیتے ہوئے خوب اٹکل پچو لگایا اور

نقشبندی صاحب کا طفلانہ اور مضحکہ خیز انداز گفتگو:

''اور عقیدہ افضلیت پیر گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ اور اکابر علماء متاخرین کے عقیدہ کے خلاف ہے اور امام ابوبکر باقلانی کی رائے اور تحریر کی واضح تردید ہے۔'' (عمدۃ التحقیق:۲۴)

عظیم بزرگ حضرت امام باقلانی قدس سرہٗ پر نقشبندی صاحب کے طنزیہ جملے پر غور کریں جس عامیانہ لہجہ میں حضرت فاتح قادیان غوث زماں تاجدار گولڑہ سرکار سیدنا پیر مہر علی شاہ قادری چشتی الگیلانی قدس سرہ کو مخاطب کیا ہے اسے بھی نظر انداز نہ کیا جائے۔

اصول ہے اور شروع سے جاری ہے کہ ہمیشہ متاخرین، متقدمین کی رائے کا احترام کرتے ہیں اور علم و تحقیق کی روشنی میں ان کے تابع رہتے ہیں۔ نقشبندی صاحب کے ہاں الٹی گنگا بہہ رہی ہے اور وہ متاخرین کے وزن میں اضافہ دکھانے کے درپے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس شخصیت کو امام اہل سنت کہا اور حضرت مولانا ظفر الدین بہاری رضوی نے انہیں چوتھی صدی ہجری کے مجدد جیسے الفاظ سے

یاد کیا اور کہا کہ ان کی رائے کا احترام کریں ان پر اپنا بھرپور اعتماد ظاہر کریں اس کے لئے نقشبندی صاحب کا فرمانا ہے کہ:

''اور عقیدۂ افضلیت پیر گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ اور اکابر علماء متاخرین کے عقیدہ کے خلاف ہے اور امام ابوبکر باقلانی کی رائے اور تحریر کی واضح تردید ہے۔'' (عمدۃ التحقیق:۲۴)

نقشبندی صاحب بادشاہ آدمی ہیں ہم انہیں کیا کہہ سکتے ہیں؟

جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

زبدۃ التحقیق گمراہ کرنے کی تحریک یا اس کے خلاف گمراہ کُن پراپیگنڈا:

زبدۃ التحقیق سادہ لوح، نیم خواندہ عوام اہل سنت کو گمراہ کرنے کی ایک تحریک ہے، جو ان شاء اللہ کبھی کامیاب و کامران نہیں ہو سکتی۔ ان شاء اللہ سید صاحب کی ہر دلیل کا شیرازہ بکھیر دیا جائے گا اور ان کے مؤقف کو قرآن و احادیث، اقوال سلف و خلف سے غلط ثابت کرتے ہوئے مسئلہ افضلیت کو جمہور اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق ثابت کیا جائے گا۔ (واللہ ولی التوفیق) (عمدۃ التحقیق: صفحہ ۱۰)

بندۂ ناچیز قاضی محمد عظیم نقشبندی، کھوئی رٹہ کوٹلی آزاد کشمیر

نقشبندی صاحب! اس امر سے تو کوئی ذی عقل انسان انکار کی جرات نہیں کرے گا کہ آپ بہتان طرازی پر لگے ہوئے ہیں کیونکہ حضرت مفکرِ اسلام شہزادۂ غوثِ الوریٰ مدظلہٗ نے کتاب کی ترتیب و تدوین کے بعد

محقق علماء کی ایک ٹیم سے باقاعدہ مشاورات کی جسے علماء کرام نے بے حد پسند کیا اور سراہا۔ نیز انہوں نے یہ تجویز دی کہ اہل سنت کے بہترین مفاد میں یہ بات ہے کہ اس کتاب کو فوری طور پر منظر عام پر لایا جائے تا کہ اہل سنت کا اصولی مؤقف ہر خاص و عام تک پہنچے اور خواہ مخواہ شور و غوغا کے ذریعے دلائل وشعور سے پیدل ضال و مضل ٹولے کی سازشیں طشت از بام ہوں۔

باعثِ حیرت حکمتِ عملی:

حیرت کا باعث تو یہ امر ہے کہ آپ جیسے بزعم خود بڑے عالم ایک طرف تو زبدۃ التحقیق پر من گھڑت الزامات اور من پسند اعتراضات وارد کر رہے ہیں اور دوسری طرف وہی بات انجانے میں خود لکھے جا رہے ہیں کہ جمہور کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر یہی بات حضرت مفکر اسلام لکھیں تو تفضیلی اور یہی جملہ آپ کے اپنے بے لگام قلم سے نکلے تو عین حق اور برحق؟ اب ذرا ہمت کر کے آپ اس من پسند بے لگام موقف پر کوئی دلیل ارشاد فرمائیں گے؟

نقشبندی صاحب کی ایک بے مقصد تحریر:

پہلا فرقہ جو شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین کے نام سے پکارے جاتے تھے درحقیقت یہ اہل سنت و جماعت کے پیشوا تھے جو اصحاب کبار کے حقوق کی معرفت، ازواج مطہرات کے تقدس اور احترام میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے طریق اور اعتقاد پر تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلافات

کے وقوع پذیر ہونے اور جنگ وقتال ہونے کے باوجود ان کے سینے بغض و نفاق سے ظاہری اور باطنی طور پر پاک وصاف تھے اور ان امور کو درخور اعتناء نہیں لاتے تھے۔ اس فرقہ کا نام شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر اور تحقیق سے ثابت ہوا کہ ابن سباء یہودی نے اپنی قوت علمی اور ابلیسی سوچ کو بروئے کار لاتے ہوئے اعتقادی اور مذہبی بنیادوں پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لشکریوں (افواج) کو چار فرقوں میں تقسیم کر دیا پہلا فرقہ اسی فکر، اسی عقیدہ اور اسی عمل پر کاربند تھا جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا تھا۔ جس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے پیشرو خلفائے ثلاثہ کے مراتب کا لحاظ اور احترام کرتے تھے یہ پہلا فرقہ بھی اسی طرح درپے عمل تھا اور جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کا تقدس اور احترام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور پرانوار میں تھا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس کی پوری طرح پاسداری فرماتے۔ شیعہ اولیٰ یعنی پیشوایان اہل سنت وجماعت اسی طرح ظاہر و باطن میں ان کی اتباع اور اقتداء کرتے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حامیوں نے باہم جنگ و قتال کیا مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے دل میں کوئی بغض وعناد اور دشمنی کا شائبہ تک نہ تھا۔ اسی طرح اقتدائے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں اس فرقہ اولیٰ کے دل ودماغ میں بغض حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کوئی غبار نہ تھا۔ فرقہ ء تفضیلیہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے واشگاف اعلان کہ ''جس نے مجھے شیخین پر فضیلت دی اور افضل قرار دیا میں اس کو مفتری قرار دے کر اسی

کوڑے ماروں گا۔" (عمدۃ التحقیق 16-17)

ہم پوچھتے ہیں:

ذرا بتایا جائے کہ ایک طرف تو آپ شیعہ اولیٰ، شیعہ مخلصین کو نہ صرف اہل سنت قرار دے رہے ہیں بلکہ از خود انہیں اہل سنت و جماعت کے پیشوا بھی تسلیم کر رہے ہیں۔ یاد رہے کہ یہی بات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کے خلیفہ مجاز حضرت استاذ العلماء شیخ المحدثین رئیس المتکلمین علامہ ابو البرکات سید احمد قادری برکاتی اشرفی اکثر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اصل شیعہ تو ہم اہل سنت ہیں۔ ہم شیعان علی رضی اللہ عنہ ہیں اور جنہیں عام لوگ شیعہ کہتے ہیں وہ شیعہ نہیں بلکہ رافضی ہیں۔ نقشبندی صاحب نے یہ بے مقصد تحریر رقم فرما کر دین کی کون سی خدمت کی ہے کہ "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حامیوں نے باہم جنگ و قتال کیا مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے دل میں کوئی بغض و عناد اور دشمنی کا شائبہ تک نہ تھا۔ اسی طرح اقتدائے حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اس فرقہ اولیٰ کے دل و دماغ میں بغض حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کوئی غبار نہ تھا۔"

سوچو! اتنے مسلمان جو شہید ہوئے اس کا سبب کیا تھا؟ وہ تو حق و باطل کے معرکہ میں شریک تھے نہ کہ صرف کھیل تماشا یا تفریح طبع کے لئے میدان کارزار میں اترے تھے۔

نقشبندی صاحب کی حسرت

رقم طراز ہیں کہ:

”اگر خوف ناراضگی دامن گیر اور نام کو صیغۂ راز میں رکھنے کا عہد و پیمان نہ ہوتا تو میں ان شخصیات مقدسہ کو صفحہ اول کی پیشانی کا جھومر بناتا جن کی جان، مال، فکر و دانش مسلک حقہ اہل سنت و جماعت کے لئے وقف ہے۔“

ہماری گذارش:

اگر نقشبندی صاحب برا نہ منائیں اور ان کے لئے بار خاطر نہ ہوتو کیا ہم دریافت کر سکتے ہیں؟ اس قدر خوف اور ناراضی کا سبب آخر کیا ہے اور وہ کونسی شخصیات مقدسہ ہیں جنہیں پردے میں رکھنا مجبوری ٹھہرا؟ اور اپنی کتاب کے صفحہ اول کا جھومر بنانا بس میں نہ رہا۔ محترم نقشبندی صاحب! اگر تھوڑی جرأت و ہمت سے کام لیتے اور یہ پردہ فاش فرماتے کہ کون مقدسہ شخصیات در پردہ محرک ہیں کہ جنہوں نے ہر سید آل رسول ﷺ کو شیعہ خارج اہلسنت قرار دینے کی قسم اٹھا رکھی ہے۔

قارئین کرام! میں ایک عرصہ تک تو یہ سمجھتا رہا کہ یہ نقشبندی صاحب کا ذاتی عمل ہے مگر ان کے اپنے قلم سے یہ بات مترشح ہوگئی کہ ایک مخصوص گروہ ان کی پشت پناہی کر رہا ہے اور ناقابل تردید شواہد پر پردہ ڈالنے کے لئے سرگرم عمل ہے۔

تصویر کا پہلا رخ:

نقشبندی صاحب نے یہ گمراہ کن تاثر دینے کی لاحاصل کوشش کی ہے کہ زبدۃ التحقیق کے تمام مصادر اہل تشیعہ سے ہیں جن میں:

(۱) ابوبکر الباقلانی

(۲) ابن عبدالبر اندلسی

(۳) عبدالکریم شہرستانی

تصویر کا دوسرا رخ:

اگر کسی طرح بدگمانی کو راہ نہ دی جائے تو تصویر کے پہلے رُخ میں مذکورہ آئمہ اہل سنت کے متعلق عمدۃ میں جو کچھ لکھا گیا ہے انہیں پڑھنے کے بعد ایک خالی الذہن قاری قطعاً یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے گا کہ مسئلہ افضلیت میں اختلاف مابین شیعہ۔ سنی ہے۔ نہ کہ یہ مسئلہ درمیان اہل سنت بھی باعث اختلاف ہے۔ لہٰذا جو افضلیت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا منکر ہے وہ شیعہ رافضی نہ معلوم کیا کیا خارج از اہل سنت و جماعت ہے اور لازماً اسے نقشبندی صاحب اور ان کے پشت پناہ مقدسہ شخصیات کے ساتھ خوش عقیدگی ہوگی کہ وہ

مسلک اہلسنت کے سچے علمبردار اور وقت کے سب سے بڑے مجاہد ہیں۔

افسوس میں کن لفظوں میں اس خفیہ راز کو بے نقاب کروں کہ اس خاموش تحریک کے پیچھے ایک نہایت خوفناک طوفان چھپا ہوا ہے جو کہ آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی پر مبنی ہے۔

تصویر کے اس رخ کی دل آویزی اسی وقت تک باقی ہے جب تک کہ دوسرا رخ نظروں سے پوشیدہ ہے۔ یہ مخفی راز فاش ہو جانے کے بعد اس گروہ کی تمام گرم جوشیاں آنِ واحد میں بھسم ہو جائیں گی۔ اس سے پہلے کہ میں اصل حقیقت کے چہرے سے نقاب اٹھاؤں آپ کے فکر و شعور کی دہلیز پر کھڑے ہو کر ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ اس سے پہلے کہ حقیقت کے چہرے سے نقاب اٹھایا جائے، میں آپ کی فکر و شعور کی دہلیز پر کھڑے ہو کر ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ فرض کریں اگر یہ بات آپ پر واضح ہو جائے کہ مسئلہ افضلیت اہلسنت کے درمیان اختلافی ہے اور زبدۃ التحقیق میں جن حضرات کے حوالہ جات پیش کیے ہیں تمام اہلسنت کے امام ہیں نہ کہ کسی اور مسلک سے متعلق ہیں اور یہ کہ جس مسئلہ کے سبب ان بزرگانِ دین رحمۃ اللہ علیہم اور حضرت شہزادہ غوث الوریٰ کو اہلسنت سے خارج ہونے پر فتویٰ صادر کیا گیا جسے نقشبندی صاحب عمدۃ التحقیق میں بار بار تسلیم کرتے ہیں کہ عقیدہ جمہور ہے تو آپ کے ذہنی واردات کی کیا کیفیت ہو گی؟

مذہبی تاریخ کا بڑا بلنڈر:

کیا اس صورت حال کو مذہبی تاریخ کا سب سے بڑا فریب نہیں

قرار دیں گے؟ اور اس حیران کن انکشاف کے بعد آپ کے ذہن کی سطح پر ان حضرات کی جو تصویر ابھرے گی کیا وہ رہگذر کے ان لٹیروں سے کچھ مختلف ہوگی جو آنکھوں میں خاک جھونک کر مسافروں کو لوٹ لیا کرتے ہیں۔

اگر ہماری یہ گذارشات حقائق کے عین مطابق ہیں اور فکری اعتبار سے آپ بھی ان دلائل سے منہ نہیں موڑ سکتے۔ فطرت سلیم اس کو قبول کرنے کی متقاضی ہے اور نقل و عقل اس کی ثقاہت پر متفق ہیں تو اسے بادل ناخواستہ ہی سہی قبول کر لیجئے۔ اس سے آپ اور آپ جیسوں کو خیر ملنے کی توقع کی جاسکتی ہے۔

بصورت دیگر اپنے اطمینان کے لئے ورق الٹیے۔ آگے بڑھیے اور اکابر امت کے تذکار کو قدرے تفصیل سے پڑھیے۔

ہمارے امام مولائے مرتضی سیدنا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی جسے سید الطائفہ حضرت شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد مقامات پر بیان کیا ہے کہ پاکان امت کی باتیں اور ان کے تذکار خدا کی فوج کے لشکری ہوتے ہیں اس بات پر تو سبھی متفق ہیں کہ جہاں خاصانِ خدا کا ذکر ہو وہاں خدا کی رحمت برستی ہے۔ نقشبندی صاحب! پڑھ لیجئے کہ اگر اور کچھ نہیں تو شاید آپ کو رحمت خدا سے کوئی جرعہ نصیب ہو ہی جائے۔

تائید و توثیق کا مطالبہ کس نے کیا؟

زبدۃ التحقیق تفضیلی عقیدہ کے احساسات و خیالات کی تفسیر ہے ہم اس کی تائید اور توثیق سے معذرت خواہ ہیں۔ (عمدۃ التحقیق: ۷)

نقشبندی صاحب کی کیفیت تو ''مان نہ مان میں تیرا مہمان'' والی ہے کیا آپ یہ بیان کرنے کی زحمت فرمائیں گے کہ آنجناب سے زبدة التحقیق کی تائید وتوثیق کا مطالبہ کس نے، کب اور کہاں کیا تھا؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اپنے منہ میاں مٹھو بننے کا فائدہ؟ پھر یہ بھی کہ اگر بالفرض آپ تائید وتوثیق کر بھی دیں تو اس کی علمی دنیا میں حیثیت کیا ہو گی؟ چڑیا سے بھی کمزور پرندہ پیڑ کی بڑی شاخ پر بیٹھ کر اپنی ماں سے بار بار کہے جا رہا تھا کہ میرے بوجھ سے شجر کی شاخ جھکی جا رہی ہے اور اس سے چڑ چڑاہٹ کی آوازیں آ رہی ہیں۔ حضرت جی! کیا آپ کی صورت حال بھی کہیں بالکل اسی طرح تو نہیں ہے؟ اگرچہ ہم تو آپ کی جانی پہچانی شخصیت سے خوب واقف ہیں مگر خدا لگتی بات تو یہ ہے کہ علمی جہان میں آپ کا کوئی حدود اربعہ نہیں جبکہ حضرت مفکر اسلام جن کا فریق مخالف بن کر آپ اپنا تعارف کرانا چاہتے ہیں ان کی علمی وجاہت و مرتبہ پر تو ان کے مخالف کو بھی جرأت انکار نہ ہو گا۔ گستاخی معاف! کبیدہ خاطر نہ ہوں اگر آپ کی عمدة التحقیق کا صرف سرورق ہی دیکھ لیا جائے تو ایک عام قاری کو بھی آپ کی علمی حیثیت کا تعین کرنے میں آسانی ہو گی۔ ذرا نام پر ہی غور فرما لیں۔ ''عمدة التحقیق در افضلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بجواب زبدة التحقیق''۔ اس کی ترکیب نحوی پر غور وفکر سے ہم تو اس کی مبتدا اور خبر کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ علم فن سے آشنا اور فنون سے واقف ہر قاری آپ کے تجویز کردہ نام پر آپ کے لئے ضرور بالضرور داد کے ڈونگرے برسائے گا۔

نقشبندی نسبت سبحان اللہ!

’’بندۂ ناچیز چونکہ نقشبندی ہے اور سلسلہ نقشبندیہ سے وابستہ ہے جس کے مورث اعلیٰ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، اس لئے بلحاظ سلسلہ اور باتباع جمہور امت بندۂ ناچیز پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر عقیدہ جمہور کو واضح کیا جائے۔ شواہد اور براہین کو زیب قرطاس کیا جائے جو مدار افضلیت ہیں۔‘‘ (عمدۃ التحقیق۔ صفحہ ۸)

اصلی نقشبندی......کیا کہنا؟

قارئین کرام! ہم نے تو حضرت صاحب عمدۃ التحقیق کے تخاطب کے لئے متعدد القاب کا انتخاب کیا تھا تاکہ ان کی عزت و تکریم کا اظہار ہوتا رہے مگر چونکہ انہوں نے ازخود اپنے لئے اپنی نسبت نقشبندیہ کو تفاخر کے ساتھ بیان کیا ہے لہذا ہم بھی انہیں ان کی نسبت کے حوالے ہی سے نقشبندی صاحب کے الفاظ سے مخاطب کریں گے لہذا اس بات کا کوئی اور مفہوم اخذ نہ کیا جائے۔ البتہ یہ بات واضح رہے کہ ہم اصلی سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی عظمت و بزرگی کے قائل ہیں جبکہ دونمبر سلسلہ نقشبندیہ جو خلافت یزید کو برحق و مسلم جانتے ہیں ان سے ہم ببانگ دہل نفرت و بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ اصلی نقشبندیہ سلسلہ تو آئمہ اہل بیت کا غلام اور سچا محبّ ہے۔

شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی گواہی

مکتوب ۱۲۳ صد و بست و سوم:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوب گرامی فقط نقشبندی صاحب کی توجہ کے لئے تبرکاً پیش کیا جارہا ہے تاکہ حقیقی نقشبندیوں کا امتیاز واضح ہو جائے۔ ملاحظہ ہو۔

بندور محمد تہاری دربیان آنکہ راہہائے کہ موصل اند بجناب قدس دواند بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ راہہائے کہ بجناب قدس موصل اند دو اندراہیست کہ بقرب نبوت تعلق دارو علیٰ اربابہا الصلوٰۃ والسلام و موصل اصل الاصل ست و اصلان این راہ بالا صالت انبیاء اند علیہم الصلوات والتسلیمات و صحابۂ ایشان و از

سائر امتان تاکر ابایں دولت بنو ازند اگرچہ
قلیل بوند بلکہ اقل و دریں راہ توسط و
حیلولت نیست ہر کہ ازیں واصلان
فیض مے گیرد بے توسط احد سے از اصل اخذ
مے نماید و ہیچ یکے دیگرے را حائل
نیست ورا ہیست کہ بقرب ولایت
تعلق دارد اقطاب (بدانکہ این ہمہ اصناف انداز
خواص بندگان حق جل وعلا علی تفاوت
الدرجات والتفصیل مقام آخر ۱۲) داوتا دو
بدلاء ولخیاء وعامۂ اولیاء اللہ بہ ہمیں راہ واصل
اندو راہ سلوک عبارت ازیں راہ ست بلکہ
جذبۂ متعارفہ نیز داخل ہمین ست و توسط و
حیلولت دریں راہ کائن ست و پیشوائے
واصلان ایں راہ و سرگروہ اینہا و منبع فیض
ایں بزرگواران حضرت علی مرتضیٰ
ست کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم و این
منصب عظیم الشان بالیشان تعلق دارد
دریں مقام گوئیا ہر دو قدم مبارک آنسرور
علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام بر فرق

مبارک اوست کرم الله تعالی وجهه الکریم و
حضرت فاطمه و حضرات حسنین رضی الله
تعالی عنهم (یعنی امام حسن و امام حسین
ابنِ علی بن ابی طالب رضی الله عنه)
دریں مقام با ایشان شریک اند انگارم که
حضرت امیر قبل از نشا عنصری نیز ملادو
ملجا این مقام بوده اند چنانچه بعد از نشا
عنصری و هر کرا فیض و هدایت ازین راه
مے اسید بتوسط ایشان میر سیدچه ایشان نزد
نقطۂ منتهائے این راه اند و مرکز این مقام
بایشان تعلق دارد وچون دورۂ حضرت امیر
تمام شد این منصب عظیم القدر بحضرات
حسنین ترتیبا (یعنی اول بامام حسن و بعد
ازان بامام حسین رضی الله عنه) مفوض و
مسلم گشت و بعد از ایشان همان منصب
بهریکے از ائمه (یعنی از باقی دوازده امام و
ایشان این اند اول امام حضرت علی دوم
امام حسن سوم امام حسین چهارم امام زین
العابدین پنجم امام محمد باقر ششم امام جعفر

صادق ہفتم امام موسی کاظم ہشتم امام علی موسی رضا نہم امام محمد تقی دہم امام محمد نقی یازدہم امام حسن عسکری دوازدہم امام محمد مہدی رضی اللہ عنہم اجمعین) اثنا عشر علی الترتیب والتفصیل قرار گرفت و در اعصار این بزرگوان و ہمچنین بعد از ارتحال ایشان ہر کرافیض و ہدایت میسر سیدبتوسط این بزرگوان بوده و بخیلولة ایشانان ہر چند اقطاب و بجنبائے وقت بوده باشند و ملاذ و ملجا ہمہ ایشان بوده اندچہ اطراف راغیر ازلحوق بمرکز چاره نیست تا آنکہ نوبت بحضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (منسوب ست بجیل وآن بلاوند متفرقہ وراء طبرستان داوراجیلان نیز گویند و گیل وگیلان نیز) رسید قدس سرہٗ وچون نوبت باین بزرگوار شد منصب مذکور باو قدس سرہٗ مفوض گشت و بامین ائمہ مذکوران وحضرت شیخ ہیچ کس برین مرکز مشہود نمی گردد وصول فیض و

برکات درین راہ بہر کہ باشد از اقطاب و نجباء
بہ توسط شریف او مفہوم شودچہ این
مرکز غیر اورا میسر نہ شدہ ازینجاست کہ
فرمودہ شعر افلت (یعنی فرورفت و
غروب گردید آفتابہائے پیشینیان و آفتاب ما
دائما بر افق بلندی ست غروب نگردد)
شموس الاولین وشمسنا ابدا علی افق العلی لا
تغرب۔ وے کہ باشیاء تعلق خواہد کرد از قید
ظلیت مبرا خواہد بود یعنی اشیاء معلوم و
سے بوند بوجہیکہ ہیچ ازانہا دردمے متعلق
گردد حصول نہ کندیراکہ ہرچہ از شے دروے
حاصل خواہد شد ظل و صورت آن شے خواہد
بود نہ عین آن شے کما (یعنی چنانکہ گفتہ اند
در تعریف علم کہ علم عبارت ست از
حاصل بودن صورت شے در عقل زیراکہ ہیچ
شک نیست کہ صورت حاصلہ از شے در
عقل شبح ومثال آن شے ست نہ حین آن
چنانچہ کشف صریح والہام صحیح شاہد
است بران) قیل فی تعریف العلم ھو حصول

صورۃ الشیی فی العقل اذ لا شك ان الصورۃ الحاصلة من الشئی فی العقل شج و مثال لذلك الشئی لا عینهٗ کما یشهد به الکشف الضریح والالهام الصحیح (یعنی وقت طے نمودن عارف مقامات ظل را) این زمان عارف عالم رابحق سبحانہ ہیچ نسبتے سوائے نسبت صانعیت و مصنوعیت اثبات نخواہد کرد وازظلیت و عینیت و مرآتیت تحاشی خواہد نمود چہ (یعنی صعود عارف از مقام ظلیت) این معاملہ مربوط بکمالات ذاتیہ است و ذات را سبحانہ از عالم غناء ذاتی ست (بدانکہ این کریمہ واقع ست دررکوع اول سورۂ عنکبوت و پارہ امن خلق یعنی ہر آئینہ خدا بے نیاز ست از عالمہا ان اللہ لغنی عن العالمین بخلاف درمراتب بعضے اسما و صفات کہ آنجا این نسبت متصورست پس تا زمانیکہ ازین مقامات نگذرد و باصل الاصل نرسد ازین نسبت بے نصیب ست دراین مقام عارف راہر

ذرہ از ذرات شاہراہے گردو بجناب قدس
خداوندی جل شانہٗ بخلاف در علم حصولی کہ
دران صورت عالم ہر شے را بجانب خود
کشد و خود مرآت جمیع اشیاء گردد و ہمچنین
در صورت ظلیت و مرآتیت ہر شے
صاحب آن علم رابسوئے خود کشد و نظر
بصیرت اورا بیرون خود نہ گذارد وچون بفضل
اللہ سبحانہ از قید حصول ظلیت وارہد ہر
ذرہ از ذرات موجودات چہ عرض وچہ جوہر
وچہ آفاق وچہ انفس اورا دروازۂ غیب
الغیب گردد باید دانست کہ چنانچہ سابقاً
آن شخص مرآت جمیع اشیاء بودہ ہرچہ
میکرد برائے خود میکرد وہرچہ ازدے
صدورمے یافت ناچار راجع بہمان شخص
میگشت خواہ نیت میکرد یا نہ الحال
چون مرآت خود را از آئینہ داری بازگردانیدہ و
از تقید بظل بازماندہ ومثل ناؤد (راہ بدررد آب
یام اغ) ائے گشتہ کہ ہرچہ دروے افتد نماند و
بیرون خود اندازد وپس ناچار ہرچہ خواہد کرد

برائے خود نخواہد کرد بلکہ برائے حق خواہد
کرد نیت کندیانہ نیت درمحل است
نہ درمتیقن این زمان حب این عارف
بحب او تعالی کشد و بغض او ببغض او
سبحانہٗ وہمچنین تعظیم و توقیر وے تعظیم و
توقیر حق ست سبحانہ و اہانت و سوء
ادب وے منجر بہ اہانت و سوء ادب او
تعالے ہمین نسبت بوده اصحاب آن
سروراںآن سرور علیہ و علیہم الصلوات
والتحیات علیٰ تفاوت درجاتہم کہ حب و
بغض ایشان منجر بحب و بغض
آنسرورست علیہ و علی اٰلہ الصلٰوۃ والسلام کہ
فرموده علیہ الصلٰوۃ والسلام (رواہ الترمذی
وقدمر غیر مرۃ ۱۲ مشکوۃ) من احبہم مجتبی
احبہم و من ابغضہم فبیغضی ابغضہم و نیز
ہمیں نسبت ست اہل بیت آنسرور
راںآن سرور علیہ و علی اٰلہ الصلوٰۃ والسلام امام
ظہوراین نسبت علیہ در حضرت مرتضٰے
و فاطمہ زہرا و حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم

ائمہ ست و در بقیہ ائمہ اثنی عشر (اول امام علی دوم امام حسن سوم امام حسین چہارم امام زین العابدین پنجم امام باقر ششم امام جعفر صادق ہشتم امام موسیٰ کاظم ہشتم امام موسیٰ رضا نہم امام محمد تقی دہم امام محمد نقی یازدہم امام حسن عسکری دوازدہم امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) نیز سرایت آن مشہور میگردد و درما وراء اینہا این نسبت محسوس نہ میشود والسلام۔

☆☆☆

اسے کیا کہیے:

عمدۃ التحقیق میں مولانا صاحب نے حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان تقابل کرتے ہوئے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ذات پاک کے حوالے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ علم وفقاہت میں ہر لحاظ سے جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پیچھے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''علم، فقہ اور اجتہاد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مقام عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بلند ہے۔'' پھر چند سطور کے بعد لکھا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقاہت اور اجتہاد عبداللہ بن عمر کی طرح مسلمہ نہیں ہے۔ (عمدۃ التحقیق ج اول ص ۳۷)

نقشبندی صاحب کا یہ استدلال بھی بوکھلاہٹ کا نتیجہ ہے۔ زبدۃ التحقیق میں حضرت مفکر اسلام پیر سید عبدالقادر جیلانی مدظلہ العالی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال فرمایا ہے۔

عبداللہ بن مسعود والی حدیث پاک امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل صحابہ میں روایت کی ہے۔ امام بزاز نے اپنی مسند میں اس روایت کو نقل فرمایا ہے اور امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح بخاری میں فرمایا کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ فضائل صحابہ کے سخت گیر محقق وصی اللہ محمد عباس نے اپنی شدت مزاج کے باوجود یہ کہہ دیا کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور یہ صحیح روایت ہے۔ حدیث مبارک کے الفاظ ہیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"کنا نتحدث ان افضل اھل المدینة علی ابن ابی طالب۔"

''ہم کہا کرتے تھے کہ اہل مدینہ میں سب سے افضل علی
بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔''

اس روایت کے مستند ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ امام احمد بن حنبل نے اسے اپنی کتاب فضائل صحابہ میں روایت کیا ہے۔ اعلیحضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فتاوی رضویہ ج ۵ ص ۱۷۴ پر لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل جس راوی کو ثقہ نہیں جانتے اس سے روایت نہیں لیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس روایت کے تمام راوی ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔

اس روایت کے مقابلے میں بخاری شریف کی وہ مشہور روایت ہے جس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم کہا کرتے تھے ابوبکر افضل ہیں پھر عمر افضل ہیں پھر عثمان افضل ہیں۔
زبدۃ التحقیق میں حضور مفکر اسلام نے امام ابن عبدالبر اندلسی کے حوالے سے تحریر فرمایا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث شاذ ہے اس لئے کہ ان سے ثقہ راوی حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں جو افضلیت سیدنا علی رضی اللہ عنہ والی روایت بیان فرمارہے ہیں۔

امام اعظم کا نظریہ:

نقشبندی صاحب اگر مطالعہ کی زحمت گوارا کر لیتے تو انہیں معلوم

ہوتا کہ عظیم تابعی علقمہ رضی اللہ عنہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک علقمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بڑے فقیہ ہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد امام اعظم کے نزدیک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بڑے فقیہہ ہیں۔ امام موافق اپنی کتاب مناقب ابو حنیفہ میں لکھتے ہیں

''امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا علقمہ، عبداللہ بن عمر سے بڑے فقیہہ ہیں اگرچہ عبداللہ بن عمر کو صحبت کی فضیلت حاصل ہے جس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا اور عبداللہ بن مسعود تو عبداللہ بن مسعود ہیں ان کے علم و فضل کا جواب نہیں۔ (جنہیں عبداللہ بن عمر پر بھی فوقیت حاصل ہے)۔

(مناقب امام اعظم ص ۱۸۹ مترجم: علامہ فیض احمد اویسی ،مطبوعہ: مکتبہ نبویہ لاہور)

اب ہم انتظار کریں گے کہ اب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر کیا فتویٰ صادر ہوتا ہے۔ نقشبندی صاحب مذکور نے فوراً جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علم و اجتہاد کو غیر مسلمہ قرار دے دیا اور اتنا بھی نہ سوچا کہ وہ اس معاملے مین سلف صالحین سے ہٹ کر ایک نیا راستہ اختیار کر رہے ہیں۔ ہمارے اکابر نے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ہی بڑا مجتہد اور فقیہہ تسلیم کیا ہے۔

رضا کے نیزے کی ایک اور مار:

ان دو صحابہ کبار میں سے کون بڑا فقیہہ ہے؟ کس کا درجہ زیادہ ہے؟ آیئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہی فیصلہ کروا لیتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

افقه الصحابه بعد الخلفاء الاربعة سيدنا عبدالله بن مسعود۔

(فتاوی رضویہ ج ۲ ص ۲۳۵)

نیز اعلیٰ حضرت سے سوال کیا گیا کہ عبادلہ سے کیا مراد ہے تو آپ نے حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

افضل العبادلة عبدالله بن مسعود

''ان سب میں افضل عبداللہ بن مسعود ہیں جو ان سب سے فائق اور سب کے شیخ ہیں۔''

اعلیٰ حضرت تو بتا رہے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عمر کے شیخ ہیں اور ان سے فائق ہیں۔ خلفائے اربعہ کے بعد سب سے بڑے فقیہہ ہیں۔

اب قارئین کرام اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ ہمارے مخالفین صرف اپنے مخصوص مقاصد کے لئے اعلیٰ حضرت کا نام استعمال کرتے ہیں۔ حقیقت میں ایسے لوگ اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کے بھی باغی ہیں۔ اب فیصلہ عوام پر ہے کہ وہ خود فیصلہ کرلیں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کیا ہیں؟ اور نقشبندی صاحب اور ان کے ساتھی کہاں کھڑے ہیں۔

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجاست

کیا نقشبندی صاحب کے حواریوں نے ان کو اس غلطی سے آگاہ کیا؟ کاش بات بات پر علمائے حق کی تحریروں کے خلاف طوفانِ بدتمیزی اٹھا

دینے والے ''حق پرستوں'' کو عمدۃ التحقیق کی من گھڑت عبارات پر بھی کچھ ردعمل کا اظہار کر دیتے تو کم از کم ہم یقین کر لیتے کہ یہ لوگ مخلص ہیں۔ اگر ان لوگوں میں واقعی اخلاص ہے اور اہلسنت کے ہمدرد ہیں تو ہم توقع رکھتے ہیں کہ آئندہ کسی موقر جریدے میں ہماری آواز سے آواز ملا کر نقشبندی صاحب کو مجبور کریں گے کہ وہ ان غیر ذمہ دارانہ بیانات و تحریرات سے رجوع کریں اور آئندہ کے لئے ایسی حرکات سے باز رہیں ورنہ ہم یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔

حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مفہوم:

اب جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث کا ذکر چھڑ گیا ہے تو مناسب ہے کہ اس موقع پر روایت کے حوالے سے چند گذارشات پیش کر دی جائیں۔ افضلیت کے مسئلہ پر جب بھی بحث ہوتی ہے تو روایات میں سے سب سے پہلے اس روایت کو پیش کر دیا جاتا ہے اور ہر سو ایک شور بپا کر دیا جاتا ہے کہ یہ بخاری کی صحیح روایت ہے اس کو ماننا ضروری ہے۔ اس سے عقیدہ ثابت ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ہم یہاں اس روایت کے الفاظ مبارکہ نقل کر کے اس پر امام ابن حجر عسقلانی کی شرح بخاری فتح الباری کے چند جملے پیش کر رہے ہیں جن کی روشنی میں واضح ہو جائے گا کہ ہمارے جن مہربانوں نے اس روایت سے افضلیت مطلقہ ثابت کرنا چاہی ہے انہوں نے انتہائی نازک شاخ پر آشیانہ

بنایا ہے۔ محدثین کرام کی تحقیقات کی تیز ترین ہواؤں کے سامنے اس کچے گھروندے کا برقرار رہنا ناممکنات میں سے ہے۔ لیجئے امام ابن حجر عسقلانی اس حدیث پاک کی وضاحت فرماتے ہیں۔

سب سے پہلے ہم ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث نقل کرتے ہیں۔ بخاری شریف میں ۳۶۵۵ نمبر حدیث ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

"کنا فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نعدل بابی بکر احد ثم عمر ثم عثمان ثم نترك اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نفاضل بینھم۔"

"ہم نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں کسی کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں سمجھتے تھے پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو چھوڑ دیتے تھے۔ ان میں سے کسی کو دوسرے سے افضل نہیں جانتے تھے۔ بعض روایات میں ہے ثم استوی الناس پھر سب لوگ برابر تھے یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ہم سب کو برابر سمجھتے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث پاک کو تمام اہل علم نے عادل ٹھہرایا ہے اور اس کی کچھ وجوہات ہیں۔

اس حدیث میں بیان کیا گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد سب

صحابہ برابر ہیں کوئی کسی سے افضل نہیں حالانکہ یہ روایت آیات قرآنیہ کے واضح بیان کے خلاف ہے۔ قرآن حکیم میں السابقون الاولون کو سب پر فضیلت دی گئی ہے جبکہ اس روایت میں خلفاء ثلاثہ کے بعد سب برابر ہیں۔

قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا کہ فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد کیا وہ بعد والوں سے افضل ہیں۔ بعد والے ان کے برابر نہیں ہو سکتے جبکہ اس روایت میں ہے کہ خلفاء ثلاثہ کے بعد سب ہی برابر ہیں۔

قرآن حکیم میں ہے کہ جہاد میں شرکت کرنے والے اہل ایمان ان لوگوں سے افضل ہیں جو گھروں میں بیٹھے رہیں جبکہ اس روایات میں خلفاء ثلاثہ کے علاوہ سب کو برابر بتایا جا رہا ہے۔ اس پر تو تمام امت کا اجماع ہے کہ حضرت مولا علی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے بعد سب سے افضل ہیں جبکہ اس روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد سب ہی برابر ہیں تو اس طرح یہ روایت اجماع امت کے بھی خلاف ہے۔ اگر اس حدیث کو دلیل بنا کر خلفاء ثلاثہ کی افضلیت کا عقیدہ بنا لیا جائے تو اس حدیث کے مطابق تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد سب کو برابر سمجھنا چاہیئے تھا۔ حالانکہ اہل سنت کے نزدیک بالاتفاق مولا علی رضی اللہ عنہ تین کے بعد افضل ہیں اور آپ کا ذکر اس میں نہیں ہے۔ اس حدیث کو ظاہری معنی میں رکھ کر مطلب نکالنا ناممکن ہے۔ اس پر اجماع ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد عشرہ مبشرہ میں سے بقیہ ٦ صحابہ کرام ساری امت سے افضل ہیں جبکہ اس روایت میں ۳ خلفاء کے بعد

سب کو برابر کہا گیا ہے لہٰذا یہ روایت اس اجماع کے بھی خلاف ہے۔ بدر میں شامل ہونے والے صحابہ کرام اُحد والوں سے افضل ہیں جن کی افضلیت حدیث سے ثابت ہے جبکہ یہ روایت اس کے بھی خلاف ہے۔

الغرض اگر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت کا ظاہری مطلب لیا جائے تو یہ روایت نصوص قرآنی احادیث مبارکہ اور اجماع کے خلاف نظر آتی ہے اس لئے محدثین کا اتفاق ہے کہ اس کی تاویل کی جائے گی۔ امام ابن حجر عسقلانی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

واتفق العلماء علٰی تاویل کلام ابن عمر۔

اور کلام ابن عمر کی تاویل پر علماء کا اتفاق ہے۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۱۸۳)

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کلام کا مفہوم کیا ہے۔ امام ابن حجر نے دیگر تاویلات ذکر کرنے کے بعد آخر میں جو ترجیحی قول لکھا ہے اس سے مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ سب سے بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ روایات کی روشنی میں دیکھا جائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خود اس کا کیا مطلب لیتے ہیں اگر ان سے خود اس کی وضاحت مل جاتی ہے تو پھر کسی مزید تاویل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ امام ابن حجر لکھتے ہیں۔

وقد جاء فی بعض الطرق فی حدیث ابن عمر تقیید الخیریة المذکورة والافضیلة بما یتعلق بالخلافة وذالك فیما اخرجه ابن عساکر عن عبدالله بن یسار عن سالم عن ابن عمر قال انکم لتعلمون انا کنا

نقول علی عهد رسول الله ﷺ ابو بکر و عمر و

عثمان یعنی فی الخلافة کذا فی اصل الحدیث ومن

طریق عبیدالله عن نافع عن ابن عمر کنا نقول فی

عهد رسول الله من یکون اولی بهذا الامر؟ فنقول

ابوبکر ثم عمر۔" (فتح الباری جلد۴، ص۷۵۰)

خلاصۂ عبارت یہ ہے:

بعض دیگر روایات میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے خود ہی بیان فرما دیا ہے کہ اس روایت میں افضلیت کا تعلق امور خلافت سے ہے۔ یعنی ہم رسول کریم ﷺ کے دور مبارک میں کہا کرتے تھے کہ خلافت کے لئے بہترین شخصیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہے پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔ ابن عساکر نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ہم رسول کریم ﷺ کے دور اقدس میں کہا کرتے تھے کہ اس خلافت کا زیادہ حقدار کون ہے؟ پھر ہم خود ہی کہا کرتے تھے ابوبکر پھر عمر رضی اللہ عنہما۔

مقامِ تعجب تو یہ ہے:

انتہائی قابل حیرت امر ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب خود وضاحت فرما رہے ہیں کہ ہم خلافت کے کاموں کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سب سے موزوں اور مناسب شخصیت سمجھتے تھے، متکلم کی اپنی

وضاحت کے بعد بھی ان کے کلام سے مطلق افضلیت پر استدلال کیسے کیا جاتا ہے۔ یہ سراسر ہٹ دھرمی ہے اور من مانی ہے۔ امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد الباری شرح بخاری اور حضرت شیخ نور الحق محدث جاء فی بعض طرق حدیثه فقال رجل لابن عمر یا ابا عبدالرحمن فعلی فقال ابن عمر علی من اهل بیت لا یقاس بهم (الریاض النضرۃ جلد ۴، ص ۱۵۵)

نیز اسی صفحہ پر بھی:

کانه قال افضل الناس من اصحابه لامن اجعل بیته

"کہ وہ صحابہ سے افضل ہیں اہلبیت سے نہیں۔"

خلاصہ یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے خلافت کی بات کی ہے اور ہمارا بھی یہی نظریہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے سب سے پہلی خلافت کا جو فیصلہ ہوا وہ بالکل درست تھا اور اس وقت حالات کے پیش نظر سب سے موزوں اور مناسب ہستی آپ ہی کی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو فیصلہ کیا اور آپ کو منتخب کیا اسلام کے فائدے کے لئے سب سے بہتر فیصلہ تھا اور یہ صرف ہمارا ہی نظریہ نہیں ہے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے پیر و مرشد اور استاذ گرامی حضرت امام زید بن امام زین العابدین رضی اللہ عنہما نے اپنے بیان میں صاف صاف واشگاف الفاظ میں فرما دیا تھا کہ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ سب صحابہ سے افضل تھے اور خلافت کی اہلیت بھی زیادہ رکھتے تھے۔ لیکن آپ کے دشمن زیادہ تھے، آپ نے میدان جہاد میں اسلام کی سربلندی کے لئے تلوار ذوالفقار سے بے شمار کفار و مشرکین کو قتل کیا

تھا۔ آپ کی تلوار سے ابھی تک مشرکین کا خون خشک نہیں ہوا تھا۔ اس لئے اگر آپ کو خلیفہ بنا دیا جاتا تو دشمنی کی وجہ سے شروع ہی سے جنگ و جدال کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ اسلام کی ترقی اور نشو ونما متاثر ہوتی اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفادار اور پرانے ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ منتخب ہوئے۔ یہ دونوں صحابی حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وزیر تھے اور وفادار تھے۔ ان کی خلافتیں برحق ہیں ان کے دشمن سے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیزار ہیں۔ امام زید علیہ السلام کے ان بیانات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے۔

(الملل والنحل شہرستانی، سیر اعلام النبلا ذہبی، مقالات الاسلامیین امام اشعری الصواعق المحرقہ)

زیادہ تفصیل کے لئے زبدۃ التحقیق کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

حضرت امام زید رضی اللہ عنہ کا مذہب:

حضرت امام زید بن حضرت امام زین العابدین بن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم وہ جلیل القدر امام ہیں جو اپنے دور اقدس میں قرآن حکیم کے سب سے بڑے عالم تھے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو ان کی شاگردی کا شرف بھی حاصل ہے اور امام اعظم نے ان کے دست مبارک پر بیعت بھی کی اور ان کے جہاد کو بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جہاد کے مشابہ قرار دیا۔

(ابن کثیر البدایہ والنہایہ، الملل والنحل، الصواعق المحرقہ مقالات الاسلامین نور الابصار)

امام ابو الحسن اشعری اپنی مشہور کتاب مقالات الاسلامیین میں امام

زید کا عقیدہ لکھتے ہیں:

''کان زید بن علی یفضل علی ابن ابی طالب علی سائر اصحاب رسول اللہ و یتولی ابا بکر و عمر۔''

''حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہ جناب علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو باقی صحابہ کرام سے افضل سمجھتے تھے اور جناب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت رکھتے تھے۔''

(مقالات الاسلامیین ج ۱ ص ۱۳۷، بحوالہ زبدۃ التحقیق)

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض اور دشمنی رکھنا رفض ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گستاخ ہے وہ اہلسنت سے خارج ہے البتہ اگر کوئی شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احترام کرتا ہے اور حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو افضل سمجھتا ہے تو وہ اہل سنت سے خارج نہیں ہوگا۔ بلکہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک ایسا شخص اہلسنت کا امام ہے اور پیر و مرشد ہے کیونکہ امام اعظم کے اپنے پیر و مرشد کا عقیدہ بھی افضلیت علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ مقام غور ہے کہ امام زید رضی اللہ عنہ وہ ہستی ہیں جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دشمن کو سب سے پہلے رافضی کہا ہے اور خود امام زید رضی اللہ عنہ مولا علی رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے ہیں۔ اس سے نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ مولا علی رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھنے سے رافضی نہیں ہوتا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہنے سے بدعتی اور جہنمی ہوتا ہے۔ ہمارے اسلاف ایسے شخص کو سنی ہی سمجھتے تھے جو سب صحابہ کرام کا احترام کرے اور مولا علی رضی اللہ عنہ کو ان سے افضل

سمجھے۔ عمدۃ التحقیق کے مصنف نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تحفۂ اثناء عشریہ کی متعدد عبارات کو توڑ موڑ کر اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب ہم تحفہ کے ابتدائی اوراق سے ایک حوالہ پیش کرنے لگے ہیں جو عمدۃ کے مصنف اور اس کے حواریوں کے ایوانوں میں ایک ہلچل مچا دینے والی عبارت ہے۔ امید ہے کہ عمدۃ کے مصنف دل پہ ہاتھ رکھ کر حوصلہ کے ساتھ اس کو پڑھیں گے حضرت محدث دہلوی تحفہ میں عظیم تابعی حضرت یحیی بن یعمر رضی اللہ عنہ کا عقیدہ لکھتے ہیں۔ قاضی شمس الدین احمد بن خلکان نے وفیات الاعیان میں لکھا ہے کہ:

کان یحیی بن یعمر شیعیا من الشیعة الاول القائلین بتفضیل اهل البیت من غیر تنقص لذی فضل غیرهم۔

یعنی ابن یعمر شیعہ اولیٰ میں سے تھے کسی بھی فضیلت والے کی شان کو گھٹائے بغیر اہل بیت کو افضل جانتے تھے۔ (ص ۳۴)

اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے واضح طور پر تحریر فرمایا کہ شیعہ اولیٰ کا لقب بعد میں اہلسنت رکھا گیا۔ آپ لکھتے ہیں شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین کہ اہل سنت و جماعت کے پیشوا ہیں۔ (تحفہ ص ۷)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، کی تحقیق کے مطابق مولا علی رضی اللہ عنہ کے

ساتھ محبت اور وفاداری کرنے والے جو مخلص لوگ تھے وہ ہی اہلسنت کے پیشوا ہیں اور اس زمانے میں ان کو شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین کہا جاتا تھا۔ بعد میں جب گستاخان صحابہ نے یہ لفظ اپنے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا تو اہلسنت نے اپنے لئے اہل سنت کا لقب پسند کیا۔

یحییٰ بن یعمر اور ابو الاسود دئلی رضی اللہ عنہما عظیم تابعی ہیں۔ دونوں مولا علی رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے تھے اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم کا احترام کرتے تھے۔

(تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۴)

نیز صفحہ نمبر ۹۴ پر لکھتے ہیں دراصل یہ لقب خاص شیعہ اولیٰ تھا جو پیشوا اہلسنت و جماعت کے ہیں۔

مندرجہ بالا عبارات سے واضح ہو گیا ہے کہ تابعین میں ایسے بزرگ موجود تھے جو حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے تھے۔ جیسے امام زید، یحییٰ بن یعمر اور ابو الاسود دئلی۔ یہ وہی عظیم بزرگ ہیں جو مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے شاگرد ہیں اور جن کے ذریعے علم کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔

سادات کے لئے گنجائش:

عمدۃ التحقیق کے مصنف نے جلد اول ص ۴۲۵ پر امام زید کے حوالے سے لکھا ہے کہ اگر آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے تھے تو اس میں کون سی دلیل افضلیت ہے۔ ہر شخص اپنے جد کی تعریف کرتا ہے اور بقیہ لوگوں سے

افضل ہی قرار دیتا ہے۔

مولانا موصوف کے قلم سے بوکھلاہٹ کے عالم میں یہ جملہ لکھا گیا ہے کہ ہر شخص اپنے جد کو افضل ہی سمجھتا ہے معلوم ہوا کہ نقشبندی صاحب کے نزدیک تمام سادات کرام اور دیگر مولا علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کے لئے گنجائش ہے کہ وہ مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو افضل سمجھیں۔ اگر موصوف نے یہی نتیجہ نکالنا تھا تو اتنی بڑی دو جلدوں میں کتابیں لکھنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی۔

بہرحال دبے لفظوں میں نقشبندی صاحب نے مہربانی فرماتے ہوئے تمام دنیا کے سادات کو افضلیت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ رکھنے کی گنجائش دے دی ہے اور یہ اصول وضع کر دیا ہے کہ جو لوگ حضرت جناب صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں وہ آپ کو افضل سمجھتے رہیں جو جناب فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں وہ ان کو افضل مانیں اور جو مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی اولاد ہیں وہ مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو افضل مانیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

نقشبندی صاحب کی خدمت میں اتنی گذارش ہم ضرور کریں گے کہ جناب جو لوگ تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے قائل ہیں وہ صرف خونی رشتے کی بناء پر نہیں ہیں بلکہ آپ کے بے شمار فضائل و مناقب اور خصائص و کمالات کی روشنی میں یہ نظریہ رکھتے ہیں۔

امام شعرانی کا بیان:

قطب ربانی امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ اپنی مشہور کتاب "البحر المورود فی المواثیق والعهود" میں بھی لکھتے ہیں۔

"ومن النوادر شریف سنی" یقدم ابا بکر و عمر علی جده علی رضی الله عنه۔

ایسا سنی سید شاذ و نادر ہی ہوتا ہے جو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے افضل مانتا ہو۔

امام یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

"خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ ایسا سنی سید نوادر سے ہے جو حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنے جد امجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر ترجیح دیتا ہو اور اکثر سنی سادات شیخین کریمین اور تمام صحابہ کی محبت اور ان کی افضلیت کے اعتراف کے باوجود شیخین کی ترجیح کے قائل نہیں ہیں اور یہ ان کے دین میں کچھ نقصان دہ نہیں ہے۔"

(الشرف المؤبد ترجمہ برکات آل رسول از علامہ عبدالحکیم شرف قادری ص ۳۱۹ مطبوعہ ضیاء القرآن لاہور)

اس سے چند مسائل معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) اکثر سنی سادات مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل مانتے ہیں۔ تاہم تمام صحابہ کرام سے محبت کرتے ہیں ان کی

فضیلتوں کو مانتے ہیں۔

(۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھی جائے اور مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو افضل سمجھا جائے تو یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس سے دین میں نقصان ہو اور عقیدے میں فرق پڑ جائے۔

(۳) سادات میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہم کو مولا علی رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتے ہیں جیسا کہ جمہور اہلسنت کا مذہب ہے۔

ظلم و ستم کی انتہا:

ہم تو مسئلہ افضلیت میں جمہور کے ساتھ ہیں۔ ہمارا مؤقف یہ ہے کہ افضلیت شیخین مذہب جمہور ہے اور اس سے اختلاف کرنے سے کوئی شخص اہلسنت سے خارج نہیں ہوتا۔ مخالفین کی عقل و فکر پر حیرت ہے کہ وہ اتنی سی بات پر قیامت برپا کر دیتے ہیں اور کئی کئی جلدوں میں کتابیں لکھ ڈالتے ہیں اور تہمت بازی کرتے ہیں کہ دیکھو یہ بدعتی ہیں تفضیلی ہو گئے ہیں۔ یاد رکھیں! جمہور کے ساتھ اختلاف کرنے سے اگر کوئی اہلسنت سے خارج ہو جاتا ہو تو امام شافعی علیہ الرحمۃ کے بارے میں کیا فتویٰ ہو گا جو جمہور سے اختلاف رکھتے ہیں؟

امام شافعی کا جمہور سے اختلاف:

جمہور اہلسنت کے نزدیک عبادات بدنیہ اور مالیہ دونوں کا ثواب

میت کی روح تک پہنچ جاتا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ بدنی عبادات کا ثواب نہیں پہنچتا البتہ مالی عبادات کا ثواب میت تک پہنچ جاتا ہے۔ اس مسئلہ میں امام شافعی جمہور سے اختلاف رکھتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

”سیدنا امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک عبادات بدنیہ کا ثواب نہیں پہنچتا مگر جمہور اہلسنت قائل اطلاق وعموم ہیں۔“

(فتاویٰ رضویہ ج ۷ صفحہ ۹۹، روحوں کی دنیا ص ۱۴۲ فرید بک سٹال لاہور)

ایصال ثواب عقیدے کا مسئلہ ہے۔ امام شافعی اس مسئلہ میں جمہور کے خلاف ہیں۔ کیا آپ اس وجہ سے اہلسنت سے خارج ہو گئے؟

اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو ہم پوچھتے ہیں اگر مسئلہ ایصال ثواب میں جمہور سے اختلاف کر کے امام شافعی سنی ہی رہے تو آج مسئلہ افضلیت میں جمہور سے اختلاف رکھنے والے علماء پر اتنا فتویٰ بازی کیوں ہے؟ ذرا ٹھنڈے دل ودماغ کے ساتھ غور وفکر کی دعوت ہے۔

امام اولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم:

اللہ تعالیٰ کے محبوب سید المرسلین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے سردار ہیں اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو نبوت کا فیض آپ کی ذات اقدس کے وسیلہ جلیلہ سے ملا ہے اور حضرت مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم تمام اولیاء کے سردار ہیں۔ تمام اولیاء کو ولایت کا

فیض آپ کے واسطہ سے ملتا ہے۔ پہلی امتوں میں بھی ولایت کا فیضان آپ ہی کے وسیلہ سے جاری و ساری ہوا۔ آپ اولین و آخرین تمام اولیاء کے پیشوا ہیں اور اس مقام عظیم کا نام قطبیت کبریٰ یا خلافت کبریٰ ہے۔ یہ باطنی مقام ہے جو آپ ہی کی ذات سے وابستہ ہے اور دوسروں کو تبعًا آپ سے ہی فیض منتقل ہوتا ہے۔ احادیث مبارکہ میں جہاں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے لئے مولا، ولی یا وارث کے الفاظ آئے ہیں اس سے مراد یہی ولایت باطنی ہے۔ پہلے ایک حدیث مبارک ملاحظہ فرمایئے پھر اس کے مطابق اکابرین اہلسنت کی تصریحات و آراء پیش کی جائیں گی۔

صحاح ستہ میں سے سنن نسائی کے جامع حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہَ آفاق تالیف ''خصائص امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب میں حدیث نمبر ۸۷ میں اپنی سند کے ساتھ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

فان علیا منی و انا منہ وھو ولی کل مومن بعدی۔

''بے شک علی مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور میرے بعد علی ہر مومن کا ولی ہے۔''

اس روایت کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے مسند ج ۵ فضائل صحابہ ج ۲ ص ۸۵۶ میں امام بزار نے مسند البزار ج ۱۰ میں اور امام نسائی نے اپنی دوسری تصنیف السنن الکبری ج ۷ میں بھی روایت فرمایا ہے۔ بعض روایات میں یوں بھی ہے وھو ولیکم بعدی علی میرے بعد تمہارا ولی ہے۔

ولایت سے کیا مراد ہے؟

اس حدیث مبارک میں ولی کل مومن بعدی کے الفاظ پر توجہ فرمائیں۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ساری امت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واسطہ سے پیغام دے رہے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ ہر مومن کے ولی ہیں۔ رافضی اس حدیث کو دلیل بنا کر حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے لئے ظاہری خلافت ثابت کرتے ہیں اور خلفائے ثلاثہ کی گستاخی کرتے ہیں۔ ان کی خلافتوں کو غاصبانہ وظالمانہ سمجھتے ہیں دوسری طرف ان کے استدلال کو رد کرنے کے لئے بعض علماء نے اس روایت کے آخری لفظ بعدی کا انکار کر دیا اور اس کو اضافہ قرار دے دیا۔ ابن تیمیہ اور قاضی مبارک پوری نے اس طرح کا انداز اختیار کیا ہے۔ حالانکہ یہ نہایت نامناسب طریقہ ہے کہ فریق مخالف کو درست جوابات نہ دے سکنے کی صورت میں مستند روایات کا ہی انکار کر دیا جائے کیونکہ اگر یہ طریقہ اپنا لیا جائے تو احادیث مبارکہ کے بہت بڑے ذخیرے کا انکار کرنے کے لئے منکرین حدیث کے لئے راستہ کھل جائے گا۔

شیعہ حضرات متعدد روایات سے حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے لئے ظاہری خلافت بلافصل ثابت کرتے ہیں دوسری طرف بعض نام نہاد محققین اہلسنت ان کے رد کے طور پر احادیث کا یا تو سرے سے انکار کر دیتے ہیں یا پھر کسی ایک راوی پر کی جانے والی جرح کا سہارا لے کر روایت کی استنادی حیثیت کو مجروح کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ

دونوں طرزِ عمل قابل مذمت ہیں۔ اصل اور مناسب طریقہ یہ ہوتا ہے کہ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث مبارکہ کا صحیح محل اور مفہوم تلاش کیا جائے کیونکہ آپ کی زبان حق ترجمان سے صادر ہونے والا ہر کلمہ حقائق کے سمندر لئے ہوتا ہے۔ اہلسنت کے محتاط اور بالغ نظر علمائے کرام اور صوفیائے عظام نے اس قسم کی روایات میں ایک خوبصورت تطبیق دی ہے ہم باحوالہ اس تطبیق کو نذرِ قارئین کرتے ہیں۔

"وكانت هذه الخلافة فيه كرم الله وجهه عى الوجه الاتم ومن هنا كانت سلاسل اهل الله عزوجل منتهية اليه الا ماهو اعز من بيض الانوق فانه تنتهى الى الصديق رضى الله عنه كسلسلة ساداتنا النقشبنديه نفعنا الله تعالى بعلومهم واسرارهم و مع هذا ترد عليه كرم الله وجهه ايضاً و بتقسيم الخلافة الى هذا القسمين جمع بعض العارفين بين الاحاديث المشعرة او المصرحة بخلافة الائمة الثلاثة على الترتيب المعلوم و بين الاحاديث المشعرة او المصرحة بخلافة الامام على كرم الله وجهه بعده عليه السلام بلا فصل مخمل الاحاديث الواردة فى خلافة الخلفاء الثلاثة على الخلافة الظاهرة و الاحاديث الواردة فى خلافة على كرم الله وجهه على الخلافة

الباطنة ولم يعطل شيئاً من الاخبار وقال بحقيقة

الخلافة الاربعة رضى الله عنهم اجمعين وانت تعلم

ان هذا مشعر بافضلية الامير على الخلفاء الثلاثة

بعضهم يصرح"

ترجمہ وتشریح: آیت کریمہ انما ولیکم اللہ ورسولہ اکثر محدثین کے نزدیک حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق میں نازل ہوئی۔ کثیر صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کی طرف اشارہ ہے۔ ہاں مگر یہ خلافت باطنی ہے جس سے مراد ہدایت وارشاد، روحانی امداد اور روحانی تربیت کرنا ہے۔ یہاں ظاہری خلافت مراد نہیں ہے جس سے مراد حدود قائم کرنا، اسلامی لشکر تیار کرنا ہو۔

مفسر قرآن امام آلوسی بغدادی کی تطبیق:

حضرت امام سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور زمانہ تفسیر قرآن روح المعانی میں سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۵۵ سے ۶۰ تک کی تفسیر کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں۔

"والاية عند معظم المحدثين نزلت فى على كرم

الله وجهه و كثير من الصوفية قدس الله اسرارهم

يشير الى القول بخلافته كرم الله وجهه بعد الرسول

بلا فصل الا ان تلك الخلافة عندهم هى الخلافة
الباطنية التى هى خلافة الارشاد والتربية والامداد
الروحانى لا الخلافة الصورية التى هى عبارة عن اقامة
الحدود الظاهرة و تجهيز الجيوش والذب عن بيضة
الاسلام و محاربة اعدآءِ ہ بالسيف والسنان فانها
تلك عندهم على الترتيب الذى وقع كما هو مذهب
اهل السنة والفرق عندهم بين الخلافتين كالفرق
بين القشرو اللب فالخلافة الباطنة لب الخلافة الظاهرة
وبها يذب عن حقيقة الاسلام و بالظاهرة يذب عن
صورته وهى مرتبة القطب فى كل عصر وقد تجتمع
مع الخلافة الظاهرة كما اجتمعت فى على عليه
السلام ايام امارته و كما تجتمع فى المهدى ايام
ظهوره وهى والنبوة رضيعا ثدى والٰى ذالك الاشارة
بما يروونه عنه عليه الصلٰوة والسلام من قوله خلقت
انا و على من نور واحد۔

اسلام کی حفاظت کے لئے بھاگ دوڑ کرنا ہے۔ ظاہری خلافت کے ذریعے اسلام کے ظاہر کی حفاظت ہوتی ہے اور باطنی کے ذریعے باطنی نظام کی حفاظت کی جاتی ہے اور یہ مقام ہر زمانے کے قطب الاقطاب کو حاصل ہوتا ہے۔ کبھی کسی ہستی کے لئے ظاہری و باطنی دونوں خلافتوں کو جمع کر دیا

جاتا ہے جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اپنے دور میں ظاہری و باطنی دونوں خلافتوں کے وارث تھے اور پھر قربِ قیامت میں سیدنا امام مہدی علیہ السلام ظاہری و باطنی ہر لحاظ سے خلیفہ ہوں گے۔ ظاہری و باطنی دونوں خلافتیں ایک ہی مرکز سے فیض یاب ہوتی ہیں اس کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے حدیث میں بیان کیا گیا کہ میں اور علی رضی اللہ عنہ ایک ہی نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔ یہ باطنی خلافت مولا علی رضی اللہ عنہ میں سب سے زیادہ پائی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے طریقت کے تمام سلسلے آپ تک پہنچتے ہیں۔ ایک سلسلہ نقشبندیہ ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ مگر اس کے باوجود یہ سلسلہ بھی لوٹ کر مولا علی رضی اللہ عنہ کی طرف آجاتا ہے۔ اس تقسیم سے دو قسم کی احادیث و روایات میں تطبیق پیدا ہو جاتی ہے جن احادیث میں صراحۃً یا اشارۃً خلافتِ خلفاء ثلاثہ کا ذکر ہے ان سے مراد ظاہری خلافت ہے اور جن احادیث میں صراحت یا اشارہ سے مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت کا ذکر ہے اس سے مراد خلافت باطنیہ ہے اس تطبیق سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ کسی حدیث کا انکار نہیں کرنا پڑتا اور کوئی حدیث بے معنی نہیں رہتی یوں احادیث سے خلفاء راشدین میں سے ہر ایک کی خلافت کی حقیقت کا ثبوت مل جاتا ہے اور ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین علی خلفاء ثلاثہ سے افضل ہیں اور صوفیاء میں سے بعض نے اس افضلیت کی تصریح کی ہے۔

حضرت امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے اکابر

میں ہوتا ہے اور آپ خود ظاہری باطنی علوم کے جامع ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ کو عرب ممالک میں فروغ دینے میں امام آلوسی نے بڑا کردار ادا کیا ہے۔ آپ نے اپنے سلسلہ عالیہ کے اکابر کی تحقیقات کی روشنی میں جو کچھ بیان فرمایا اس سے درج ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) ظاہری خلافت میں خلیفہ بلافصل حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم چوتھے خلیفہ ہیں۔

(۲) باطنی روحانی خلافت میں مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت بلافصل ہے۔ یعنی آپ تقسیم ولایت میں حضور علیہ السلام کے نائب ہیں اور تمام سلاسل اولیاء بالآخر آپ تک پہنچتے ہیں۔

(۳) ظاہری اور باطنی خلافتوں میں فرق ایسے ہے جیسے چھلکا اور مغز میں فرق ہے۔

(۴) کثیر صوفیاء کے نزدیک خلافت باطنی اور فیضان ولایت کی وجہ سے مولا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے افضل ہیں۔ بعض صوفیاء نے اس کی صراحت بھی فرمائی ہے۔

فائدہ:

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ظاہری و باطنی خلافت کی تقسیم اس صدی کی ایجاد نہیں بلکہ صوفیاء و علماء حق نے احادیث و روایات کی روشنی

میں یہ تقسیم پہلے ہی فرما دی تھی۔ لہٰذا اس تقسیم کی وجہ سے اکثر کسی پر رفض کا فتویٰ لگایا جائے تو بہت سے اکابر اور سلف صالحین بھی اس فتویٰ کی زد میں آ جاتے ہیں۔ اس لئے فتویٰ بازی سے پہلے ہمارے مہربان احباب کو غور و فکر کر لینا چاہیے۔ کسی شاعر نے خوب کہا تھا ؎

اے چشم شعلہ بار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

☆☆☆

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور خلافت باطنیہ:

عاشق صادق حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت واضح الفاظ میں یہ حقیقت بیان فرمائی ہے کہ سید المرسلین حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات میں اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم اور نائب مطلق ہیں۔ کائنات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں پر آپ کو تصرف عطا فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب اور خلیفہ اعظم حضرت مولیٰ مشکل کشا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کے بعد یہ عالی منصب اہلبیت کے اماموں سے منتقل ہو کر غوث الوریٰ محبوب سبحانی سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ تک پہنچا ہے اور پھر یہ منصب امام مہدی علیہ السلام کو ملے گا۔

مطلع القمرین کے تبصرۂ سابعہ میں اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں۔

"تکمیل و ارشاد باطنی کا سہرا اسی نوشاہ بزم عرفان کے سر

ٹھہرا۔ غوث قطب ابدال اوتاد اسی سرکار کے محتاج اور

طالبان وصل الٰہی کو اسی بارگاہ کی حسین سائی معراج

سلامی جس کے در کا ہر ولی ہے

علی ہے ہاں علی ہے ہاں علی ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ کی نیابت عامہ و خلافت تامہ حضور سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کو حاصل ہے۔ دنیا و دین میں جو جسے ملتا ہے ان کی بارگاہ عرش اشتباہ سے ملتا ہے۔ حضور ارشاد فرماتے ہیں اُعطیت مفاتیح الارض مجھے زمین کی کنجیاں دی گئیں اور فرماتے ہیں اوتیت مفاتیح کل شیٔ مجھے ہر چیز کی کنجیاں عطا ہوئیں۔ علماء فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ خزانۂ راز ہیں اور انہی کے توسط سے عالم کے سب کام نفاذ پاتے ہیں جو چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے۔ عالم میں کوئی ان کے ارادہ و مشیت کا پھیرنے والا نہیں ہے۔

پھر حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں یہ کارِ خطیر منصب جلیل حضرت مولیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو مرحمت ہوا۔ تمام اقطاب عالم اس جناب کے زیر حکم مدبرات الاصر میں سروروں پر سروری، افسروں پر افسری جملہ احکام عزل ونصب وعطا ومنع وکن ومکن انہیں کی سرکار والا سے شرف امضاء پاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حاجت مندان عالم اپنے مطالب و مقاصد میں ان سے استمداد کرتے ہیں اور آستان فیض نشان پر سر ارادت دھرتے ہیں۔ یہاں تک کہ عرف مسلمانان میں مولیٰ مشکل کشا اس جناب کا نام ٹھہرا اور ناد علیا

مظہر العجائب کا غلغلہ سمک سے سماک تک پہنچا۔

(مطلع القمرین اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ۱۰۰ تا ۱۰۲ مکتبہ بہار شریعت لاہور)

میں اور علی رضی اللہ عنہ ایک نور سے:

مفسر شہیر امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے جس حدیث مبارک کا ذکر کیا ہے اسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل صحابہ صفحہ ۲۵۳ پر اپنی سند سے روایت فرمایا ہے اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوی رضویہ ج ۵ ص ۱۷۴ پر لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل جس راوی کو ثقہ نہ جانیں اس سے روایت نہیں لیتے اور یہ بات ابن تیمیہ جیسے لوگوں کے نزدیک بھی مسلمہ ہے کہ امام احمد ثقہ راویوں سے ہی روایت لیتے ہیں۔ حضرت مجدد گولڑوی سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب گیلانی رضی اللہ عنہ اپنی مشہور تصنیف تصفیہ مابین سنی وسیعہ میں لکھتے ہیں ابن تیمیہ کے نزدیک بھی امام احمد بن حنبل غیر ثقہ سے روایت نہیں لیتے تو ابن تیمیہ کو اس حدیث کی صحت سے انکار نہیں کرنا چاہئے۔

(تصفیہ مابین سنی وشیعہ ص ۶۷ مطبوعہ گولڑا شریف)

الریاض النضرہ ہمارے مہربان صاحب عمدۃ التحقیق کی مرغوب کتاب ہے اس لئے ہم اس حدیث کا متن اسی سے لے رہے ہیں۔

عن سلمان سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول کنت انا و علی نوراً بین یدی اللہ تعالٰی قبل ان یخلق آدم باربعۃ عشر الف عام فلما خلق اللہ آدم قسم ذالک

النور جزاين فجز انا و جزء علی اخرجه احمد فی

المناقب۔ (الریاض، ج ۴ ص ۱۰۳)

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ میں اور علی مرتضیٰ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے ۱۴ ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ کے سامنے نور کی صورت میں موجود تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو اس نور کے دو حصے بنائے ایک حصہ میں ہوں اور ایک حصہ علی رضی اللہ عنہ ہے۔ امام احمد بن حنبل نے یہ حدیث مناقب (فضائل) صحابہ میں روایت فرمائی ہے۔

نیز علی منی و انا منه اور علی کنفسی جیسی دیگر روایات بھی اس معنیٰ کی تائید کے لئے کافی ہیں۔

عظیم محدث اور سلسلہ عالیہ چشتیہ کے ایک عظیم صوفی حضرت مولانا احسن الزمان حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب القول المستحسن شرح فخر الحسن میں انتہائی وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ جن احادیث مبارکہ سے شیعہ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت پر استدلال کرتے ہیں ان سے مراد ظاہری خلافت نہیں ہے بلکہ باطنی ولایت و خلافت ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب خلافت ظاہری کا معاملہ ہوا تو اس وقت مولا علی رضی اللہ عنہ کو افضل ماننے والے صحابہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ، مقداد بن اسود وغیرھم رضی اللہ عنہم نے ان روایات سے استدلال نہیں کیا۔ اگر ان روایات میں ظاہری خلافت مراد ہوتی تو یہ صحابہ کرام ضرور ان احادیث

مبارکہ کو پیش کر کے مولا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا مطالبہ کرتے۔

(القول المستحسن ص ۳۲۲)

غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے اقتباس نور:

اس کے علاوہ شرح عقائد کی شرح نیز اس کے شارح امام اہلسنت فخر المتکلمین حضرت قاضی محمد برخوردار ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب غوث اعظم رضی اللہ عنہ مطبوعہ زاویہ پبلشرز لاہور کے صفحات ۷۰ تا ۷۳ پر تفصیلی طور پر تحقیق سے یہ بات ثابت فرمائی ہے کہ ان تمام روایات سے مراد مولا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت باطنی بلا فصل ہے اور ظاہری خلافت مراد نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے کتاب ''غوث اعظم'' کا مطالعہ مفید رہے گا۔

شیعہ مذہب کا دوسرا فرقہ تفضیلیہ ہے جو جناب علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتا اور افضل قرار دیتا ہے یہ اس لعین (عبداللہ ابن سباء) کے آزاد نامی شاگردوں کا گروہ ہے جنہوں نے اس کے وسوسے کے ایک حصے کو قبول کیا ہے۔ جناب علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے ان کو تنبیہ کی تھی کہ:

''اگر کسی کو ر یہ کہتے ہوئے میں نے سن لیا کہ وہ مجھے شیخین پر فضیلت دیتا اور افضل قرار دیتا ہے تو میں اس کو مفتری قرار دے کر اس پر حد افتراء جاری کرتے ہوئے اسی کوڑے ماروں گا۔''

نقشبندی نے لکیر کے فقیر کا کردار ادا کرتے ہوئے عقل کو استعمال کیے بغیر نقل پر اکتفا کیا ہے۔ انہوں نے تحفہ اثناء عشریہ کی عبارت نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے مگر یہ نہیں سوچا کہ حد افتراء جاری کرنے کا مجاز کون ہے؟ صاحب شریعت یا حضرت امیر المومنین سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ۔

یاد رکھنا چاہیے کہ حد نافذ کرنے کا اختیار تو اللہ کریم اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے کسی اور کو نہیں۔

نقشبندی صاحب رقمطراز ہیں کہ:

"زبدۃ التحقیق میں سید صاحب نے اسی عقیدہ کو حق اور سچا قرار دے کر اپنے تفضیلی شیعہ ہونے پر مہر تصدیق ثبت فرمائی۔" (عمدۃ التحقیق:۱۶)

قارئین کرام! آپ نے چالاکی ملاحظہ فرمائی؟ زبدۃ التحقیق میں حضور مفکر اسلام نے بار بار اس بات کو دہرایا ہے کہ جمہور اہل سنت کے نزدیک حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں اور ہم اسی نقطۂ نظر کے قائل ہیں۔ دراصل نقشبندی صاحب کو حضور مفکر اسلام کا نقطۂ نظر سمجھنے میں غلطی لگی یا وہ تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں۔

نقشبندی صاحب کی ایک اور راگنی:

قارئین کرام شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے یہ بات واضح اور ثابت ہوگئی کہ یہ عقیدہ کہ "حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تمام

صحابہ بشمول شیخین سے افضل ہیں اور آپ وصی رسول اللہ ﷺ ہیں اور آپ رسول ﷺ کے خلیفہ بلافصل ہیں'' اہل اسلام کا نہیں بلکہ یہ عقیدہ عبداللہ بن سباء یہودی کے کارخانہ فتنہ وفساد میں تیار ہوا۔ (عمدۃ التحقیق صفحہ ۱۴)

قارئین کرام! ایک مرتبہ اس عبارت کو غور سے دوبارہ ملاحظہ فرمائیں اور اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے چیدہ چیدہ چند نفوس قدسیہ کے حوالہ جات دل و دماغ کے دروازے کھول کر پڑھیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ حضور مفکر اسلام مدظلہ العالیٰ نے زبدۃ التحقیق میں یہ تذکار بیان فرمائے ہیں مگر نقشبندی صاحب اور ان کے اکابر واصاغر ان پر توجہ مبذول نہیں کر سکے۔

ہماری دعوت ہے کہ فی الحال ان چند حوالہ جات کو غور وفکر سے دیکھ لیا جائے اور پھر دیانت داری وانصاف کا دامن تھام کر فیصلہ دیا جائے کہ یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تمہارے فتوے کی زد میں ہیں یا ان کے لئے کوئی دوسری رائے ہے۔

اور فتنۂ ابن سباء یہودی کے ساتھ معاذ اللہ جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کا تعلق جوڑنے کی جسارت بھی کی جائے گی؟

اہل سنت کے محسن کبیر حضور مفکر اسلام شہزادہ غورث الوریٰ دامت برکاتہم العالیہ رقمطراز ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا نظریہ:

جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع کے خلاف آراء میں سے ایک درج ذیل ہے۔ حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ اپنی کتاب تاریخ بغداد ۹۔۲۹۲ میں تحریر فرماتے ہیں:

قال فاما العباس فمات و علی عنده افضل الصحابة

''رہی بات عباس رضی اللہ عنہ کی سو وہ وفات گئے جبکہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کے نزدیک سب صحابہ سے افضل تھے۔''

اگر سنیت کے لئے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھنا ضروری ہوتا تو لوگ انہیں سنی نہ سمجھتے۔ آپ کا وصال ۳۲ھ میں ہوا اور آپ اسی عقیدہ پر تھے۔ معلوم ہوا کہ افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور افضلیت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں حق دائر سمجھا جاتا تھا ورنہ خود حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کی جملہ اولاد اور جملہ علوی، حسنین کریمین رضی اللہ عنہما حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو افضل کیسے سمجھ سکتے اگر اجماع نصی یا سکوتی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر ہو چکا ہوتا تو اجماع نصی کی صورت میں منکر کافر ہوتا اور اجماع سکوتی کی صورت میں مبتدع ہوتا مگر ان میں سے کوئی بھی ٹائٹل ان لوگوں کو نہیں دیا گیا جس سے ثابت ہوا کہ افضلیت کا عقیدہ محض اختیاری تھا اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس کو بھی افضل سمجھا وہ حق پر تھے۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا نظریہ:

ابن حزم اندلسی اپنی کتاب الفصل فی الملل ج ۴۔ص ۱۳۴ پر لکھتے ہیں:

کان عمار بن یاسر والحسن بن علی یفضلان علی ابن ابی طالب علی ابی بکر و عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

''عمار بن یاسر اور حسن بن علی رضی اللہ عنہم، جناب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتے تھے۔''

امام حسن رضی اللہ عنہ اپنے وقت میں خلیفہ راشد گزرے ہیں جن کا قول اور فعل باقی خلفائے راشدین کی طرح شرع میں سند اور حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے ہیں۔ انہوں نے آگ میں کھڑے ہو کر بھی اسلام پر استقامت دکھلائی۔ ان دونوں حضرات کا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا عقیدہ رکھنا اور تادم آخرین جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینا اور ۳۷ھ میں جنگ صفین میں جام شہادت نوش فرمانا، اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر یہ عقیدہ حد مفتری کو مستلزم ہوتا یا کم از کم قابل اعتراض ہوتا تو امام حسن رضی اللہ عنہ اس بات کے زیادہ حقدار تھے کہ انہیں تنبیہ کر دی جاتی کہ یہ

عقیدہ قابل اعتراض ہے اس سے تائب ہو جانا ضروری ہے۔ مگر اس کے برعکس جملہ، عباسیہ، علویہ، فاطمیہ، خ ہاشمیہ اور بیسیوں فقہاء و مجتہدین و افاضل صحابہ (رضی اللہ عنہم) کا افضلیت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ ہونا اس امر کی شہادت ہے کہ مسئلہ افضلیت اختیاری تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے جملہ تلامذہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو افضل جانا۔ جناب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جناب خاتون جنت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بعد از نبی سب سے افضل سمجھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جناب جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل سمجھا۔ امت کے کسی بھی صاحب علم نے ان بزرگوں کے بارے میں کوئی حقیر کلمہ نہیں بولا معلوم ہوا کہ بجوائے ان اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مینار ہدایت سمجھا لہٰذا ان میں سے کسی کے قول کی بھی پیروی کی جائے تو موجب رشد و ہدایت ہوگی۔

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اتفاق امام محمد عبدالرؤف المناوی متوفی ۱۰۳۱ھ اپنی کتاب فیض القدیر ج ۴ ص ۵۵۵ میں لکھتے ہیں:

و ذکر علیم الدین العراقی ان فاطمۃ و اخاھا ابراھیم افضل من الخلفاء الاربعۃ بالاتفاق۔

ترجمہ: علیم الدین عراقی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی ابراہیم رضی اللہ عنہ متفقہ طور پر خلفائے اربعہ سے افضل ہیں۔

اسی طرح شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب ''تکمیل الایمان''

ص ۵۷ پر ورطہ تحریر میں لاتے ہیں:

شیخ جلال الدین سیوطی در کتاب خصائص کبریٰ

از امام علیم الدین عراقی نقل کردہ است کی

فاطمۃ و برادر وے ابراھیم با اتفاق افضل انداز

خلفاء اربعہ۔

امام جلال الدین سیوطی (متوفیٰ ۹۱۱ھ) نے اپنی کتاب

خصائص کبریٰ میں علیم الدین عراقی سے نقل کیا ہے کہ

فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی ابراھیم رضی اللہ عنہ خلفائے

راشدین سے متفقہ طور پر افضل ہیں۔

امام سیوطی نے اپنی کتاب خصائص کبریٰ کی تلخیص ''انموذج اللبیب المعروف بخصائص صغریٰ'' میں ص ۵۶ پر اس عبارت کو نقل فرمایا ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ متصلب قسم کے اشعری ہیں وہ جناب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے بھائی حضرت ابراھیم رضی اللہ عنہ کی افضلیت خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم پر ثابت کر رہے تھے بحوالہ علیم الدین عراقی تو اس وقت کے دانشوروں اور ان کے بعد آنے والے علمائے کرام نے علیم الدین عراقی کو اہل سنت سے خارج کیوں نہ کیا اور کم از کم امام سیوطی ان پر اعتراض کر دیتے یا تردید کر دیتے تو بات سمجھ میں آ جاتی کہ یہ عقیدہ قابل اعتراض ہے جیسا کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی باقی تحریروں میں اس بارے میں زور پایا جاتا

ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس موقع پر اپنے دلائل کے ضعف کو محسوس فرما رہے تھے ورنہ وہ اس مقام پر ضرور تردید کرتے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر تردید نہیں کی بلکہ تائید کے طور پر امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول بھی پیش فرما دیا جس میں امام مالک رضی اللہ عنہ نے خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی تمام امت پر افضلیت بیان فرمائی:

لا افضل علی بضعة من النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم احدًا۔ (الخصائص الصغریٰ ص ۵۷)

یعنی امام مالک فرماتے ہیں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جگر گوشہ یعنی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا پر کسی کی فضیلت تسلیم نہیں کرتا۔

لیجئے جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس جگہ باوجود متصلب اشعری ہونے کے یہاں سپر انداز ہوتے ہیں۔ (درمنثور ج ۶۔ ص ۵۸۹ تصنیف امام سیوطی)

اخرج ابن مردویہ عن عائشة رضی اللہ تعالٰی عنها قالت: قلت: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) من اکرم الخلق علی اللہ، قال: یا عائشة اما تقرئین ان الذین آمنوا و عملوا الصلحات اولئك هم خیر البریة۔

جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ لوگ سب سے افضل ہیں۔

اخرج ابن عساکر عن جابر بن عبداللہ قال: کنا عند

النبی ﷺ فا قبل علی فقال النبی ﷺ والذی نفسی بیدہ ان ھذا و شیعتہ لھم الفائزون یوم القیامة و نزلت: ان الذین آمنوا و عملوا الصلحات اولئك ھم خیر البریة: فکان اصحاب النبی اذا اقبل علی قالوا: جاء خیر البریة

ابن عساکر نے حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے حدیث اخراج کی۔ انہوں نے کہا ''ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس تھے کہ اتنے میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ آ نکلے تو سرکار ﷺ نے فرمایا ''اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، یہ شخص اور اس کی جماعت کے لوگ ہی قیامت میں کامیاب ہونے والے ہیں۔'' اور یہ آیت نازل ہوئی ''بیشک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہی لوگ بہترین مخلوق ہیں۔'' تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کبھی علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کے سامنے آ جاتے تو وہ کہتے ''سب مخلوق میں سے اچھا شخص آ گیا۔''

جاء خیر البریة اخرج ابن عدی و ابن عساکر عن ابی سعید مرفوعا: علی خیر البریة (درمنثور ج ٦ ص ٥٨٩)۔

ترجمہ: عدی و ابن عساکر نے ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے: ''علی رضی اللہ عنہ بہترین مخلوق ہے۔''

اس جگہ جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سب مخلوق سے افضل کہا گیا۔ اس سے مراد ساری امت، سارے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں (انبیاء علیہم السلام بداہت عقلی سے مستثنیٰ ہیں)۔ یہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سب مخلوق سے اچھا فرمانا ایک حجت تو یہ شرعیہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر عمل فرمانا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ امت کا مجموعی عقیدہ ہے۔ یہاں کوئی تاویل ممکن نہیں ہوگی کیونکہ امام سیوطی افضلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اندر ایک سخت گیر وکیل ہیں۔ یہاں ان کا یہ لکھنا صاف طور پر سپر انداز ہونا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور مقام علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ:

امام دار قطنی نے شعبی سے ایک حدیث کا اخراج کیا:

اخرج الدار قطنی عن الشعبی: قال بینما ابوبکر جالس اذ طلع علی فلما راٰہ قال من سرہ ان ینظر الی اعظم الناس منلۃ و اقربھم قرابۃ وافضلھم حالۃ و اعظمھم حقا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلینظر الی ھذا الطالع۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے تو ناگاہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ادھر آ نکلے۔ جب انہوں نے انہیں (حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کو دیکھا تو کہا: جو آدمی اس

بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ سب سے اعلیٰ مقام والے،
سب سے قریبی، سب سے افضل حالت والے، سرکارِ دو
عالم ﷺ کی بارگاہ میں سب سے بڑے حقدار کو دیکھے وہ
اس سامنے والے کو دیکھے۔

دار قطنی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قول کو جو لفظاً حدیث موقوف ہے مگر حکماً حدیث مرفوع ہے دیکھنے پر انسان جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں عقیدہ سے آشنا ہو جائے گا۔ اعظم الناس منزلة (سب سے بڑے رتبہ والا) کہنا افضلھم حالةً کہنا، علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو پوری طرح واضح کرتا ہے۔ اگر غیر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھنا سنیت سے خروج کے معنی دیتا ہے پھر تو جناب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سنیت بھی خطرے میں پڑ گئی ہوتی۔

معلوم ہوا کہ اس مسئلہ پر چنداں زور ڈالنا دور حاضر کے بعض دانشوروں کا طبع زاد کارنامہ ہے اور اسی حدیث کو قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ کتاب 'الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ، ج ۴۔ ص ۱۱۹ پر روایت کیا گیا ہے اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۱۹۔ ۱۱۸ پر محبّ الدین طبری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔

قال جاء ابو بکر و علی یزوران قبر النبی ﷺ بعد
وفاته ستة ایام، قال علی لابی بکر: تقدم یا خلیفة

رسول الله ﷺ فقال ابو بکر ما کنت لا تقدم رجلا سمعت رسول الله ﷺ یقول علی منی کمنزلتی من ربی۔

''حضرت نبی کریم ﷺ وصال پاک کے چھ دن بعد، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ و حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ قبر حضور ﷺ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: اے خلیفۂ رسول ﷺ! آپ آگے ہوں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ایسے آدمی سے آگے بڑھنے کا نہیں ہوں (جس کے بارے میں) سرکار دو عالم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ میرے سامنے ویسے ہی ہے جیسا کہ میرا مرتبہ پروردگار کے سامنے۔

ظاہر ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا مرتبہ بزم انبیاء علیہم السلام میں یکتا و بے ہمتا ہے۔ تو اس تشبیہ کا مقصد یہ ہو گا کہ علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ صفوف صحابہ رضی اللہ عنہم میں یکتا و بے ہمتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت کے بعد غالب حاجت نہیں رہتی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے افضلیت حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کا اظہار فرما کر یہ مسئلہ واضح کر دیا کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھنا یہ

عقیدہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے۔

مذکورہ بالا روایات کے مزید حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

☆ حلیلة الاولیاء جلد اول ص ۱۰۶۔ للامام ابو نعیم اصفهانی (م ۴۳۰ھ)

☆ الصواعق المحرقه ص ۱۷۷۔ للامام ابن حجر مکی

☆ جواهر العقدین، ص ۳۸۰، للامام نور الدین علی السمهودی (م ۹۱۱ھ)

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک اور نظریہ:

امام حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب ''الاصابه فی تمینر الصحابه'' ج ۱ ص ۲۳۵ پر ارشاد فرماتے ہیں:

عن عائشه رضی الله عنها قالت ثلاثة من الانصار لم یکن احد منهم یلحق فی الفضل کلهم من بنی عبد الاشهل، سعد بن معاذ، اسید بن حضیر و عباد بن بشر۔

تین انصاری تھے جن کو مرتبے میں کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا تھا اور وہ سارے بنی عبدالاشہل میں سے تھے۔ (۱) سعد بن معاذ (۲) اُسید بن معاذ (۳) عباد بن بشر۔

جناب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ دربار سیدة فاطمہ رضی اللہ عنہا بطور

افضلیت مطلقہ لکھا جا چکا ہے۔ باستثنائے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا (جو بداہتہ عقلیہ سے مستثنیٰ ہیں) تین انصار تھے جن کا مرتبے میں کوئی شریک نہیں تھا۔ اس جگہ جناب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے اجماع مبین میں جناب عائشہ رضی اللہ عنہا شریک نہیں جبکہ آپ مجتہدہ ہیں۔ اگر اس پر اجماع ہوا ہوتا تو جناب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ضرور پتہ ہوتا۔ جبکہ آپ کا وصال ۵۸/۵۷ھ میں ہوا اور آپ کا جنازہ جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھایا۔

اس پر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ جب کوئی کسی بھی صحابی کو افضل کہے اور جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی نفی لازم آتی ہو۔ دور حاضر کے دانشور پر سکتہ طاری نہیں ہوتا ہے اور خاطر عاطر پر ہرگز یہ بات گراں نہیں گزرتی مگر جونہی علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نام لیا جائے آتش بداماں ہو جاتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے جناب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے قبیلہ عبدالاشہل کے تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام لیا انہیں پوری امت سے افضل کہا مگر کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ اگر بالفرض علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نام آجاتا کئی گھروں میں صف ماتم بچھ جاتی۔ شور محشر برپا ہو جاتا۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ بغضِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جن کو ورثے میں ملا ہے انہیں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پرخاش کے لئے کوئی بہانہ چاہیے ہوتا ہے۔ ورنہ افضلیت و مفضولیت چنداں جھگڑے کی بات نہیں۔ یہ ضروریات دین میں سے ہی نہیں پھر جھگڑا

کیسا؟ اگر ضروریات دین میں سے ہوتا تو منکر کو کافر کہتے۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی افضلیت:

امام حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب الاصابہ فی تمییز الصحابہ ج ۲ ص ۱۵۸ پر حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کا ذکر فرمارہے ہیں۔

اما انہ لا خیر ھم واحبھم الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اخرجہ احمد و بخاری)

لیکن (زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ) وہ تو یقیناً سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل اور سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو۔

یہاں پر امام ابن حجر عسقلانی نے بحوالہ امام احمد اور بخاری جناب زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو سرکار دو عالم کی بارگاہ میں سب سے افضل کہا اور سب سے زیادہ پیارا کہا۔ اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع ہو چکا ہوتا تو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل اور سب سے زیادہ محبوب کیسے کہا جاتا؟

اس جگہ وہی سوال ابھر کر سامنے آجاتا ہے کہ اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت دین کی کوئی اتنی بے حد ضروری چیز تھی اور سنیت کا بنیادی عقیدہ تھا تو اس جگہ دینی رگ حمیت کیوں نہ پھڑکی۔ وہ حساس طبیعتیں کیوں برہم نہ ہوئیں جو نامِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سن کر فوراً آتش بداماں ہو جاتی ہیں۔

حضرت ابو طفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ:

امام ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اپنی کتاب الاصابہ فی تمینیر الصحابہ ص ۱۹۳ جلد ۷ پر تحریر فرماتے ہیں۔

قال صالح ابن احمد بن حنبل عن ابیه ابی الطفیل مکی ثقة، قال البخاری فی التاریخ الصغیر عن ابی الطفیل قال ادر کت ثمان سنین عن حیاۃ النبی صلی الله علیه و آله وسلم قال ابو عمر، کان یعترف بفضل ابی بکر و عمر لکنه یقدم علید

صالح بن احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد سے روایت کیا: ابو الطفیل مکی ثقہ ہیں اور بخاری نے تاریخ صغیر میں لکھا ہے۔ ابو الطفیل کے حوالے سے۔ انہوں نے کہا میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی (ظاہری) زندگی کے آٹھ سال پائے۔ ابو عمر نے کہا (ابو الطفیل) ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضل و شرف کے قائل تھے مگر وہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اُن سے افضل سمجھتے۔

یہاں بتائیے کہ جناب ابو الطفیل ایک جلیل القدر صحابی ہیں جو جناب شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے فضل و شرف کے قائل تھے مگر وہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتے تھے۔ اگر جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت

پر اجماع ہو گیا ہوتا تو اس اجماع کی مخالفت یہ صحابی ہو کر کیسے کرتے؟ یہ ابوالطفیل عامر بن واثلہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں جنہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کی آٹھ سال صحبت پائی اور ۱۰۲ھ میں مکہ شریف میں سب سے آخری صحابی کی حیثیت سے رحلت فرما ہوئے۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ اگر یہ حضرات شیخین سے جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتے تھے تو ہرگز اجماع دربارۂ افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کوئی وجود نہیں رکھتا تھا کیونکہ یہ سب سے آخری صحابی تھے۔ اگر صحابہ کا اجماع دربار افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوا ہوتا تو انہیں ضرور پتہ ہوتا اور یہ اس کے خلاف کبھی نہ کرتے جبکہ یہ طویل الصحبت صحابی تھے اور سب سے آخر میں وفات پائی۔

فرمانِ رسول ﷺ، علی امام المتقین:

امام حافظ ابی القاسم علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ بن عبداللہ شافعی المعروف ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی کتابت تاریخ مدینہ دمشق ج ۴۲ ص ۳۷۰ پر تحریر فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مرحبًا بسید المسلمین و امام المتقین۔

"تمہارا آنا مبارک! اے سارے مسلمانوں کے سردار اور سارے متقیوں کے امام۔"

یہ حدیث مرفوع ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کا جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

کو تمام مسلمانوں کا سردار فرمانا جملہ امت محمدیہ میں افضلیت کی کافی دلیل نہیں ہے کیا؟ سب اتقیاء کا سردار فرمانا، سب سے اکرم ہونے کی دلیل نہیں ہے کیا؟

یہاں سب اتقیاء سے اتقی ہونا کسی حدیث یا آیت سے استنباط نہیں کیا گیا بلکہ سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو مخاطب فرما کر صراحت فرمائی کہ علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سب اتقیاء کا سردار ہو کر اکـــرم الامـــت ہیں۔

ابن عساکر شافعی اپنی کتاب تاریخ مدینہ دمشق میں ج ۴۲ ص ۳۷۱ میں رقم فرماتے ہیں کہ سورۂ بینہ کی آیت نمبر ۶ دربارۂ افضلیت جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نازل ہوئی تھی اس لئے جب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ تشریف لاتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے:

جاء خير البرية

"سب مخلوق میں سے افضل آ گیا ہے۔"

اس میں انبیاء علیہم السلام بداہت عقلیہ سے مستثنٰی ہوں گے۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عادی نعرہ تھا تو یہ کس طرح باور کیا جائے گا کہ وہی صحابہ افضلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اجماع میں شریک بھی ہوئے یا افضلیت پر اجماع ہونے پر وہ خاموش رہے تھے؟

علی خیر البریہ:

عن ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ قال علی خیر

البریہ۔ (در منثور)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ (جو افاضل صحابہ میں سے ہیں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ''علی رضی اللہ عنہ سب مخلوق سے (باستثنائے انبیاء علیہم السلام) افضل ہیں۔''

یہ حدیث مرفوع ہے، کسی صحابی مکرم کی ذاتی سوچ یا ذاتی رائے نہیں اور اسی روایت کو ابن عدی نے اپنی کامل ج ۱ ص ۱۷۰ میں بھی روایت کیا ہے۔

اختلافی موقف دربارۂ اجماع بر افضلیت جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کہ ایک حدیث مرفوع ہے:

عن ابی حذیفہ بن یمان، قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول: علی خیر البشر، من ابی فقد کفر۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سب انسانوں سے (باستثنائے انبیاء علیہم السلام) افضل ہیں جو اس کا انکار کرے گا وہ کافر ہے۔

امام ابن عساکر اسی کتاب کے اسی صفحہ پر اسی حدیث کو ایک اور سلسلہ اسناد کے ذریعے سے روایت کرتے ہیں:

علی خیر البشر، من ابی فقد کفر

علی رضی اللہ عنہ سب انسانوں سے (باستثنائے انبیاء علیہم السلام) افضل ہیں جو اس کا انکار کرے گا وہ کافر ہے۔

اسی کتاب کی ج ۴۲ ص ۳۷۳ پر ہے:

عن جابر علی خیر البشر لا یشك فیه الا منافق۔

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سب انسانوں سے افضل ہیں۔ اس میں منافق کے بغیر کوئی شک نہیں کرتا۔''

اسی صفحہ پر ابن عساکر رقمطراز ہیں:

عن جابر قال سئل عن علی فقال ذالك خیر البریة لا یبغضه الا کافر۔

جناب جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ سے جناب علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ وہ (باستثنائے انبیاء علیہم السلام) سب مخلوق سے افضل ہیں اس حقیقت کو کافر کے سوا کوئی ناپسند نہیں کرتا۔

مندرجہ بالا روایات پر بعض اہل علم نے کلام کیا ہے تاہم ہمارے نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کے راویوں اور اپنی کتب میں درج کرنے والے محدثین کو کسی نے خارج از اہل سنت یا خارج از اسلام قرار نہیں دیا۔

افضلیت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم:

عز الدین ابن اثیر ابو الحسن علی بن محمد الجزری متوفی ۶۳۰ھ اپنی

کتاب اسد الغابہ پر تحریر فرماتے ہیں:

عن ابن بریدہ عن ابیه قال: خدیجه اول من اسلم مع رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ثم علی وقال ابو ذر والمقداد خباب و جابر و ابو سعید الخدری وغیرهم ان علیا اول من اسلم بعد خدیجه و فضله هولاء علی غیرہ

ابن بریدہ سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں پھر علی رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور ابو ذر اور مقداد اور خباب اور جابر اور ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہم) نے کہا کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد اور ان لوگوں نے انہیں (حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کو دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور افرادِ امت سے افضل سمجھا۔

اس روایت کے بارے میں یہ کہنا کہ اس روایت میں علامہ ابن عبد البر تنہا اور متفرد ہیں، غلط ہے۔ اس روایت کو تلقی بالقبول حاصل ہے لہٰذا اس میں تفرد ابن عبد البر کی تاویل رکیک ہے۔

اب اجماعِ نصی و سکوتی کی تفصیلات ختم ہو رہی ہیں۔

امام ابو بکر احمد بن علی الجصاص رازی (متوفیٰ ۳۷۰ھ) اپنی کتاب

''الفصول فی الاصول'' ۲-۱۳۶ لکھتے ہیں:

اذ اختلفت الجماعتان اللتان وصفهما ما ذكرنا في حكم الحادثة وانكر بعضهم على بعض ما قالوا اولم ينكره لم ينعقد باحدى الجماعتين اجماع اذالم يكن يثبت ضلال احد الفريقين عندنا و هٰذا لا خلاف فيه۔

''جس وقت ایسی جماعتوں کا باہم اختلاف ہو جائے جن کے اوصاف ہم نے کسی حادثہ کا حکم بیان کرنے میں ذکر کئے ہیں (اہل ضلالت کے موافق ہونے کا اعتبار نہیں ہو گا کیونکہ حق صحت اجماع میں شرط ہے اور وہ اجماع جو اللہ تعالیٰ کی حجت ہے وہ تو صرف اہل حق کا اجماع ہے جن کا فسق اور گمراہی ثابت نہ ہو)۔ اور ایک دوسرے کے قول کی تردید کریں یا نہ تردید کریں، تو ایک جماعت کے قول پر اجماع منعقد نہیں ہوگا۔ جس وقت تک دونوں جماعتوں میں سے ایک کا گمراہ ہونا ثابت نہ ہو۔ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔''

چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول یا حدیث تقریری ملتی ہے اور چند دوسری احادیث ملتی ہیں جو اخبار واحدہ ہیں یا ظنی الدلالت یا متعارض ہیں

اور جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر ۲۰ حوالہ جات از قسم احادیث مرفوعہ و اقوال صحابہ گزشتہ صفحات میں پیش کئے جا چکے ہیں۔ اس اختلاف کے ہوتے ہوئے اجماع کے منعقد ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے دعویدار تھوڑے ہیں اور جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے دعویدار بھی زیادہ ہیں اور دلائل بھی کثیر از قسم احادیث مرفوعہ ہیں۔ عنقریب جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت مرویہ از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور آیت سیجنبھا الاتقی پر گفتگو ہونے والی ہے۔

چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں افضلیت کے بارے میں اجماع نہیں ہو سکا۔ لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال خلافیہ میں سے کسی ایک پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ مگر ان اقوال خلافیہ میں سے خارج ہونا جائز نہیں ہوگا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال خلافیہ کو اجماع مرکب کی حیثیت حاصل ہے۔

ابوبکر جصاص متوفی ۳۷۰ھ اپنی کتاب ''اصول الجصاص (الفصول فی الاصول) ۲-۱۳۸ پر تحریر فرماتے ہیں:

انما فائدۃ قولہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم "اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم" ان الحق لا یخرج عنھم۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد کا فائدہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے، یہ ہے کہ حق ان سے خارج نہیں ہوگا۔

حاصل کلام یہ ہو گا کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اجماع نہیں ہو سکا تو ان کے اقوال خلافیہ سے باہر نہیں جانا بلکہ ان میں سے کسی ایک قول کے اختیار کر لینے کی اجازت ہو گی۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حق دائر ہے۔

حضرت ملا علی قاری حنفی ہروی متوفی ۱۰۱۴ھ اپنی کتاب شرح فقہ اکبر کے صفحہ ۱۷۸ پر تحریر فرماتے ہیں۔

فقال ابو منصور البغدادی من اکابر الائمة الشافعية:

"اجمع اهل السنة والجماعة على ان افضل الصحابه ابوبكر فعمر، فعثمان فعلى، فبقية العشرة المبشرة بالجنة فاهل بدر فياتى اهل احد فياتى اهل بيعة رضوان بالحديبية فياتى الصحابة رضى الله عنهم انتهٰى۔ ولعله اراد بالاجماع اجماع اكثر اهل السنة لان الاختلاف واقع بين عثمان و على عند بعض اهل السنة.

ابو منصور بغدادی نے جو شافعیہ کے اکابر ائمہ میں سے ہیں کہا: اہل سنت والجماعت نے اس بات پر اجماع کیا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب صحابہ سے افضل ہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ، پھر عشرہ مبشرہ، پھر اہل بدر، پھر باقی اہل احد پھر باقی اہل بیعت رضوان جنہوں نے حدیبیہ میں بیعت کی پھر باقی صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم افضل ہیں۔

غالباً انہوں نے اجماع سے اکثر اہل سنت و جماعت مراد لئے ہیں کیونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان بعض اہل سنت کا اختلاف گزرا ہے۔

حضرت ملا علی قاری ہروی رحمۃ اللہ علیہ نے شوافع کے دعویٰ اجماع کی تردید فرما دی۔ کیونکہ اجماع یا نصی ہوسکتا ہے یا سکوتی، تیسرا اجماع مرکب ہے جو ہمارے دائرہ گفتگو سے خارج ہے۔ اجماع نصی ہوتا تو منکر تفضیل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کافر کہتے۔

فالا قوی اجماع الصحابة نصا مثل ان یقولوا جمیعا اجمعنا علی کذا فانه مثل الایة والخبر المتواتر حتی یکفر جاحده کما ومنه الا جماع علی خلافة ابی بکر رضی الله عنه۔ (نور الانوار مع حاشیہ قمر الاقمار ص۲۲۲)

سب سے مضبوط اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع نصی ہے مثلاً سب یوں کہیں ہم نے ایسی ایسی بات پر اتفاق کر لیا ہے پس وہ (اجماع) آیت یا خبر متواتر کی مانند ہے جس کا منکر کافر مرتد قرار دیا جائے گا۔ جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اسی برادری کا اجماع ہے۔

آج تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے منکر کو کسی نے کافر قرار نہیں دیا۔ ثابت ہوا کہ افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع نصی نہ

ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں ہو سکا نہ ہی بعد میں ہو سکا۔

رہ جاتا ہے اجماع سکوتی وہ تو شوافع کے ہاں حجت ہی نہیں۔ امام فخر الدین محمد بن عمر بن الحصین الرازی متوفی ۶۰۶ھ اپنی کتاب ''المحصول فی علم اصول الفقہ'' ۴/۱۵۳ پر خامہ فرسائی فرماتے ہیں:

القسم الثالث فیما ادخل فی الاجماع ولیس منه، المسئلة الاولی واذا قال اهل العصر قولا کان الباقون حاضرین لکنهم سکتوا وما انکروه فمذهب الشافعی رضی الله عنه

تیسری قسم اس چیز کے بیان کرنے میں ہے کہ جو اجماع میں داخل کی گئی ہے حالانکہ وہ اجماع کی برادری میں سے نہیں ہے۔ پہلا مسئلہ جس وقت ایک زمانے کے (مجتہد) لوگ کوئی بات کریں اور باقی (مجتہدین) موجود ہوں لیکن وہ چپ رہیں اور اس بات کا انکار نہ کریں تو مذہب شافعی یہ ہے (اور وہ مذہب حق ہے) کہ وہ اجماع نہیں ہے اور نہ ہی وہ حجت شرعیہ ہے۔

یعنی بالفاظ دیگر امام شافعی کے نزدیک اجماع سکوتی حجت شرعیہ ہی نہیں۔ آپ بتائیے جب اجماع نصی کسی بھی دور میں ہوا ہی نہیں اور اجماع سکوتی امام شافعی کے نزدیک حجت شرعیہ ہی نہیں اور اجماع سکوتی کے عدم انعقاد پر بیسیوں شواہد پیش کئے جا چکے ہیں۔ اب بتائیے ابو منصور بغدادی

شافعی اشعری رحمۃ اللہ علیہ کس طریقے سے دعویٰ اجماع برائے افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کر رہے ہیں جس کا حوالہ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۷۸ پر دے کر اس کا رد کیا ہے۔ جس سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر کسی طرح کا اجماع نہیں ہو سکا نہ ہی نصی نہ ہی سکوتی۔ اب ذرا علامہ تفتازانی شافعی اشعری کی تحقیقات دربار افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ و دیگر خلفائے راشدین ملاحظہ فرمایئے:

قال امام الحرمين مسئلة امام المفضول نيست بقطعة ثم لا قاطع شاهد من العقل على تفضيل بعض الائمة على البعض والاخبار الواردة على فضائلهم متعارضة لكن الغالب على الظن ان ابا بكر افضل ثم عمر ثم يتعارض الظنون في عثمان و علی رضی الله عنهما۔ (شرح مقاصد ج ۲ ص ۲۹۸)

امام الحرمین نے کہا امامت مفضول کا ممنوع ہونا قطعی نہیں پھر عقل کی کوئی قطعی شہادت نہیں مل سکی جو بعض ائمہ (خلفائے راشدین) کی ایک دوسرے پر افضلیت ثابت کر سکے اور ان کے فضائل میں وارد ہونے والی احادیث متعارض ہیں۔ لیکن غالب گمان یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں گمان آپس میں

ٹکراتے ہیں۔

اب امام ابو الحسن اشعری کی اپنی مصنفات سے استشہاد کرنا زیادہ مناسب ہوگا جو کہ جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کل امت سے بمعہ اہل بیت کے افضلیت کے پہلے مدعی ہیں اور نظریہ افضلیت تامہ کے پہلے مصنف ہیں۔

امام ابو الحسن اشعری ۳۳۰ھ اپنی کتاب ''الابانہ عن اصول الدیانہ'' ج ۲ ص ۲۵۵ پر تحریر فرماتے ہیں:

واذواجبت امامة ابی بکر رضی الله عنه وجب عنه افضل المسلمین۔

''جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت متحقق ہوگئی تو یہ امر بھی متحقق ہو گیا کہ آپ سب مسلمانوں سے افضل ہیں۔''

اس عبارت کی منطقی شکل یہ بنے گی کہ جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (اہل حق کے اتفاق سے) خلیفہ قرار پائے اور جو بھی خلیفہ ہو جائے وہ ان سب سے افضل ہوتا ہے جن کے حق میں خلیفہ بن جائے۔ لہٰذا نتیجہ منطقیہ ہوا کہ جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہوئے۔ امام ابو الحسن اشعری متوفی ۳۳۰ھ کا یہ نتیجہ فاسدہ ہے کیونکہ اس میں صحت صوری تو ہے مگر صحت مادی نہیں کیونکہ کبری خلاف واقعہ ہے۔ افضل کی موجودگی میں مفضول کو خلیفہ بنایا جا سکتا ہے۔ یہ روافض کا عقیدہ ہے افضل کی موجودگی میں مفضول کو خلیفہ

نہیں بنایا جا سکتا لہٰذا خلافت مفید افضلیت نہیں ہو گی۔

نیز ابو الحسن اشعری متوفی ۳۳۰ھ کی ایک دوسری کتاب مقالات الاسلامیین ج ۲ ص ۱۴۷ کا حوالہ ملاحظہ فرمائیے:

قولهم فی افضل الناس بعد الرسول: واختلفوا فی التفضیل:

(۱) فقال قائلون: افضل الناس بعد رسول الله ﷺ ابوبر، ثم عمر ثم عثمان ثم علی

(۲) وقال قائلون: افضل الناس بعد رسول الله ﷺ ابوبکر، ثم عمر ثم علی ثم عثمان۔

(۳) قال قائلون: نقول: ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم نسکت بعد ذالك۔

(۴) قال قائلون: افضل الناس بعد رسول الله ﷺ علی ثم بعده ابو بکر۔

(۵) قال قائلون لاندری ابو بکر افضل ام علی۔

ترجمہ: ”ان کا بیان سب لوگوں سے افضل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے بعد“ انہوں نے تفضیل کے بارے میں اختلاف کیا ہے:

(۱) کچھ کہنے والوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے بعد، سب سے افضل ابو بکر پھر عمر، پھر عثمان پھر علی (رضی اللہ عنہم) ہیں۔

(۲) کچھ لوگوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل ابو بکر پھر عمر پھر علی پھر عثمان ہیں۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

(۳) کچھ لوگوں نے کہا: (رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل) ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ پھر چپ کر جاتے تھے۔

(۴) کچھ لوگوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل علی رضی اللہ عنہ ان کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۵) کچھ کہنے والوں نے کہا: ہمیں معلوم نہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا علی رضی اللہ عنہ۔

اس جگہ قابل غور امر ہوگا کہ امام ابوالحسن اشعری کے نزدیک، اگر خلافت مفید افضلیت ہوتی تو اہل سنت و جماعت کے ان مکاتب کا کیوں ذکر کرتے بلکہ فرماتے کہ افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا منکر کافر یا گمراہ یا مبتدع یا زندیق ہے اور اگر افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع نصی تام ہو گیا ہوتا تو منکر کو کافر کہتے اور شافعی ہونے کے ناطے سے اجماع سکوتی کے قائل ہی نہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر کوئی اجماع نصی بھی نہیں ہوا اور سکوتی بھی نہیں۔

ہم نے گزشتہ صفحات میں بیسیوں شواہد پیش کئے ہیں جن میں جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھنے، جناب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو، جناب ابراہیم رضی اللہ عنہ ابن رسول اللہ ﷺ کو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے افضل سمجھنے جانے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے افضل سمجھے جانے اور جناب جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھے جانے کا ثبوت دیا ہے۔ ان عقائد کے رکھنے والوں کو کسی نے اہل سنت سے خارج نہیں کیا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

خلیفہ راشد ہیں وہ بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلفاء وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل سمجھتے ہیں۔

اور ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۷۸ پر افضلیت پر اجماع کی تردید کرتے ہوئے اکثر اہل سنت والجماعت کے متفق ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر یہ رائے بھی ضعیف و ناتواں محسوس ہوتی ہے کیونکہ اہل سنت والجماعت کے سرخیل تو ائمہ اربعہ ہیں جن کے عقائد ان نظریات کے خلاف ہیں جن کے حوالہ جات مندرجہ ذیل عبارات میں ہم پیش کرنا چاہیں گے۔ جب جہابذہ روزگار اور ائمہ مقتدایان اس کے خلاف رائے رکھیں تو اکثریت اہل سنت و جماعت کا دعویٰ بھی پادر ہوا ہوگا۔

لیجئے ملاحظہ فرمایئے: امام عبدالکریم شہرستانی (متوفی ۵۴۸ھ) اپنی کتاب ''الملل والنحل'' ج ۱ صفحہ ۱۵۵ پر جناب امام زید بن علی زین العابدین رضی اللہ عنہما کے عقیدہ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

> و کان مذهبه جواز امامة المفضول مع قيام الافضل فقال كان على ابن ابى طالب رضى الله عنه افضل الصحابة الا ان الخلافة فوضت الى ابى بكر لمصلحة راوها و قاعدة دينية راعوها من تسكين نائرة الفتنة وتطييب القلوب العامة فان عهد الحروب التى جرت فى ايام النبوة كان قريبا و سيف امير المؤمنين على ان دماء المشركين من قريش و غيرهم لم يجف

بعد والضغائن فی صدور القوم من طلب الشار کما

ھی فما کانت القلوب تمیل الیه کل المیل ولا تنقاد

الرقاب کل الانقیاد فکانت المصلحة ان یکون القائم

بھٰذا الشان من عرفوه بالین والتودہ والتقدم بالسن۔

(امام ابو حنیفہ کی امام زید بن علی رضی اللہ عنہ سے بیعت تھی جو

کربلا شریف کے بعد حزب اختلاف کے پہلے لیڈر تھے)

ان کا مذہب یہ تھا کہ افضل کے ہوتے مفضول کی امامت

درست ہے۔ انہوں نے کہا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سبھی

صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل تھے مگر یہ کہ خلافت جناب ابی بکر

رضی اللہ عنہ کو کسی مصلحت کے تحت سپرد کی گئی جس کو انہوں نے

مدنظر رکھا اور کسی قاعدہ دینیہ کے تحت انہوں نے ایسا کیا

جس کو انہوں نے ملحوظ خاطر رکھا یعنی فتنہ کی آگ کو بجھانا

عوام کے دل کو خوش کرنا۔ کیونکہ وہ دور نبوت جس میں

جنگیں لڑی گئیں وہ قریب تھا اور جناب امیر المومنین علی

رضی اللہ عنہ کی تلوار قریش اور دوسرے مشرکین کے خون سے

ابھی خشک نہیں ہوئی تھی اور طلب انتقام کے پر از کینہ

احساسات ابھی اس طرح زندہ تھے اور لوگوں کے دل

پوری طرح آپ کی طرف مائل نہیں تھے اس لئے قرین

مصلحت یہ بات تھی کہ اس کام کو سنبھالنے والا ایک ایسا

شخص ہونا چاہئے جس کو لوگ نرمی و ملائمت کے عنوان

سے جانتے ہوں اور (اس کے مرنجاں مرنج ہونے کی وجہ

سے اس کی) دوستی کا دم بھرتے ہوں اور (وہ ایک) عمر

رسیدہ شخص ہونا چاہئے۔

امام عبدالکریم شہرستانی اپنی اسی کتاب الملل والنحل ا-۱۵۸ پر ورطۂ

تحریر میں لاتے ہیں۔

وکان ابو حنیفة علی بیعتہٖ ومن جملة شیعته حتیٰ

رفع الامر الی المنصور و حبسه وقیده حبس الا

بدحتیٰ مات فی الحبس و قیل انه بایع محمد بن

عبدالله الامام فی ایام المنصور و لماقتل بالمدینة

بقی الامام ابو حنیفة علی تلك البیعة یعتقدم موالاة

اهل البیت ورفع حاله الی المنصور فتم علیه ماتم۔

جناب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ان کی بیعت پر تھے (امام

ابوحنیفہ کی زید بن علی رضی اللہ عنہ سے بیعت تھی) اور ان کے

شیعہ (ساتھیوں) میں سے تھے۔ حتیٰ کہ ان کا معاملہ منصور

خلیفہ عباسی تک پہنچ گیا تو اس نے آپ کو عمر بھر قید دے

دی یہاں تک کہ قید خانہ ہی میں وصال فرما گئے۔ یہ بھی

کہا گیا کہ آپ (امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ) نے محمد نفس زکیہ بن

عبداللہ رضی اللہ عنہ (محض) سے ایام منصور میں بیعت کی اور

جب محمد نفس زکیہ رضی اللہ عنہ مدینہ شریف میں شہید کر دیئے گئے
تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اسی بیعت پر قائم رہے جبکہ اہل بیت
کی دوستی کا دم بھرتے رہے حتیٰ کہ ان کا حال منصور کو بتلایا
گیا تو پھر ان پر جو بیتی سو بیتی۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جیسا بالغ نظر آدمی اس کو کیوں پتہ نہ ہو کہ جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع صحابہ ہو چکا ہے اور اجماع نصی تام شرع میں حجت قطعیہ ہے اس کا منکر کافر ہوتا ہے اور یہ جانتے ہوئے کہ امام زید بن علی رضی اللہ عنہ جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا عقیدہ رکھتے بمعہ جملہ ہاشمی خاندان کے جو کہ مدینہ طیبہ کی غالب اکثریت ہے۔ کیسے بیعت کر لیتے اور اسی بیعت پر قائم رہتے اور تا دم آخرین اسی عہد کے پابند رہتے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اجماع خلافت پر ہوا افضلیت پر نہیں ہوا۔ (زبدۃ التحقیق: ۲۵۲ تا ۲۷۷)

ایک علمی شہادت

مکتوبِ گرامی!

حضرت استاذ العلماء مولانا **محمد کلیم** صاحب مدظلہٗ.....ملتان

لائق صد تکریم واجب الاحترام سید انور حسین شاہ کاظمی صاحب زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا لکھا ہوا خط موصول ہوا لیکن جواب دینے میں کچھ مصروفیات کی بناء پر تاخیر ہوگئی۔

آپ نے جن چار شخصیات کے متعلق پوچھا ہے وہ سب جماعت اہلسنت سے منسلک تھیں جیسا کہ تفصیل درج ذیل ہے۔

1۔ ابو جعفر محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ اہلسنت میں سے تھے اور کثیر صحابہ سے انہوں نے روایت بھی کی ہے۔ محمد بن مندر کہتے ہیں: مارائیت احدا یفضل علی علی ابن الحسین حتی رائیت ابنه محمدا اردت یوما ان اعظه موعظتی۔

(کتاب تہذیب التہذیب شہاب الدین احمد بن حجر العسقلانی جلد نمبر ۹ ص ۳۱۳ نشر السنہ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور)

2۔ القاضی ابوبکر محمد بن الطیب بن محمد الباقلانی البصری المتکلم و کان متکلما علی مذهب الاشعری قاضی ابوبکر محمد بن طیب باقلانی مذہب اشعری کے پیروکار تھے اور مذہب اشعری کے پیروکار اہلسنت کہلاتے ہیں۔ (الانساب للامام ابی سعد عبدالکریم بن محمد ابن منصور التمیمی السمعانی متوفی سنہ 562 جلد نمبر 1 ص 266 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان الطبعۃ الاولیٰ 1988ء)

3۔ علامہ محمد بن عبدالکریم بن احمد مسلک شافعی اہلسنت میں سے تھے البتہ ایک قول کے مطابق فلاسفہ کے مذاہب کی طرف بھی رغبت رکھتے تھے۔ (طبقات الشافعیہ الکبریٰ لشیخ الاسلام تاج الدین ابن تقی الدین السبکی ج 4 ص 78-29 الطبعۃ الثانیہ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت لبنان)

البتہ اس نام کے شہرستانی کربلا وعراق میں گزرے ہیں جو مسلک شیعہ رافضہ سے تعلق رکھتے تھے۔ (معجم المؤلفین عمر رضا کحالہ دارالمعرفۃ بیروت لبنان)

4۔ حافظ ابوعمرو یوسف بن عبدالبر مالکی ابتداء اثری وظاہری مسلک کے تھے پھر انہوں نے مالکی مسلک اختیار کرلیا۔ فقہ مالکی کے حوالے سے انہوں نے کتاب الکافی فی مذہب مالک لکھی ہے جو 15 جلدوں پر مشتمل ہے۔ (ماخوذ از مقدمہ مؤطا للامام محمد ج ۱ ص ۲۲۔۲۱ مطبوعہ المیزان ناشران وتاجران کتب الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور پاکستان)

تلمیذ حقیر قبلہ مفتی صاحب

محمد کلیم مدرس جامعہ غوثیہ ہدایت القرآن

مکتوبِ گرامی!

واجب صد تعظیم وتکریم فخر السادات

حضرت علامہ مولانا پیر سیّد انور حسین شاہ صاحب کاظمی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

حضور والا کا خط موصول ہوا جس میں حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ، قاضی ابوبکر باقلانی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام عبدالکریم شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ یہ کس مسلک سے تعلق رکھتے ہیں؟

حضور والا! گزارش یہ ہے کہ یہ چاروں حضرت بزرگوار اہل سنت و جماعت کے پیشوا و مقتداء ہیں۔

حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ تو وہ ہستی ہیں جو شریعت وطریقت کے امام اور غوثیت کبریٰ کے مقام پر فائز ہیں۔

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت مولانا الشاہ احمد رضا خان تاجدار بریلی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ رضویہ ج ۲۶ میں لکھتے ہیں۔

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کی بشارت بتصریح نام گرامی صحیح حدیث میں

ہے۔ جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا ذکر فرمایا کہ ان سے ہمارا سلام کہنا۔ سیدنا امام محمد باقر رضی اللہ عنہ طلب علم کے لئے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ انہوں نے ان کی غایت تکریم کی اور کہا:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یسلم علیک

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو پسند فرماتے ہیں۔''

اور

اخرج منکحا الکثیر الطیب

''اللہ تعالٰی تم دونوں کو کثیر پاکیزہ اولاد عطا فرمائے۔''

میں ان سب حضرات کی بشارت ہے۔

(فتاوٰی رضویہ ج ۲۶ صفحہ ۴۳۰ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

چند سطور بعد بارہ آئمہ پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہی:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تک تو بلاشبہ یہ حضرات مجتہدین اور آئمہ مجتہدین تھے اور باقی حضرات بھی غالباً مجتہد ہونگے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(فتاوٰی رضویہ ج ۲۶ صفحہ ۴۳۱ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

امام اہل سنت فتاوٰی رضویہ ج ۹ میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

کارخانۂ ولایت کے فیوض و برکات جو خدا کی بارگاہ سے اولیاء اللہ پر نازل ہوتے ہیں پہلے ایک شخص پر اترتے ہیں اور اس شخص سے تقسیم ہو کر اولیائے وقت میں سے ہر ایک کو اس کے مرتبہ و استعداد کے مطابق پہنچتے ہیں

اور کسی ولی کو بھی اس کی وساطت کے بغیر کوئی فیض نہیں پہنچتا اور اہل اللہ میں سے کوئی بھی اس کے وسیلہ کے بغیر درجۂ ولایت نہیں پاتا۔ جزئی اقطاب اوتاد، ابدال، نجباء، نقباء اور تمام اقسام کے اولیاء اللہ اس کے محتاج ہوتے ہیں اس منصب بلند والے کو امام اور قطب الارشاد بالاصالۃ بھی کہتے ہیں اور یہ منصب عالی ظہور آدم علیہ السلام کے زمانے سے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی روح پاک کے لئے مقرر تھا۔

پھر آئمہ اطہار رضی اللہ عنہم کو بالترتیب اس منصب عظیم کا عطا ہونا لکھ کر کہتے ہیں۔

حضرت عسکری کی وفات کے بعد سید الشرفاء غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی کے زمانۂ ظہور تک یہ منصب حضرت حسن عسکری کی روح سے متعلق رہے گا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ صفحہ ۸۱۰ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

امام اہل سنت کی تحریر سے معلوم ہوا کہ بارہ آئمہ نہ صرف سنی ہیں بلکہ سنیوں کے امام ہیں اور قطبیت کبریٰ کے منصبِ جلیلہ پر فائز ہیں حضرت امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان ہی آئمہ میں ہوتا ہے۔

علامہ قاضی ابوبکر باقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے امام اہل سنت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جا بجا امام سنت امام باقلانی کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور انہیں محققین اہل سنت میں شمار کرتے ہیں۔ تفصیل کے لئے فتاویٰ رضویہ ج ۱۴ صفحہ ۲۰۸ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور ملاحظہ کیجئے۔

امام ابوسعد عبدالکریم بن محمد ابن منصور التمیمی السمعانی الانساب میں

لکھتے ہیں۔

قاضی ابوبکر بن محمد بن طیب باقلانی مذہب اشعری کے پیروکار تھے۔

(مذہب اہل سنت سے وابستہ سنی ہوتا ہے لہٰذا یہ سنی ہیں)۔

(الانساب ج ۱ صفحہ ۲۶۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اسی طرح امام عبدالکریم شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت کے امام ہیں ان کے بارے میں امام اہل سنت مجدد دین و ملت رحمۃ اللہ علیہ جا بجا امام اہل سنت کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ یہ چاروں حضرات نہ صرف سنی ہیں بلکہ سنیوں کے امام ہیں۔

والسلام مع الاکرام

سیّد ریاض حسین شاہ کاظمی

فاضل: جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

۱۵ جنوری ۲۰۱۳ء

حرفِ آخر

معزز قارئین کرام! آپ نے طویل مباحث ملاحظہ فرمائے اور اہل بیت نبوت کی عظمت و بزرگی کے حوالے سے علم افروز اور ایمان افروز ارشادات پڑھے۔ مگر اس میں آپ نے نقشبندی صاحب کے منتشر افکار اور قسما قسم کی قلابازیوں کو بھی ملاحظہ کیا۔ اس حوالے سے ہم آپ سے معذرت خواہ بھی ہیں کہ شاید ان کی بے ربط اور خلاف عقل و انصاف گفتگو سے آپ کی فکری یکسوئی برقرار نہ رہ سکی ہو اس بدمزگی کا ہمیں احساس ہے۔ حضرت موصوف ایک طرف تو جمہور اہل سنت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور دوسری طرف بذریعہ ڈنگوری یہ ثابت کرنے کے لئے بضد ہیں کہ نہیں اجماع ہے۔

کبھی نہیں یہ قطعی مسئلہ ہے اور کبھی یہ اجماع نصی قطعی ہے۔ کبھی دل میں آئے تو ارشاد فرما دیتے ہیں کہ اس مسئلہ نص قطعی، احادیث اور سلف و خلف سے اجماع ثابت ہے اور آخر مین پھر وہی کہ یہ جمہور اہل سنت کے نزدیک متفق مسئلہ ہے۔ مقصود یہ ہے کہ نقشبندی صاحب کسی ایک نکتہ پر بریک لگائیں اور مسئلہ واضح کریں کہ آخر وہ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ بلاشبہ عقیدۂ

جمہور کے نزدیک سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں تو پھر اس قدر شور وغوغا کا مقصد کیا ہے؟ اس پر تو سبھی متفق ہیں کہ عندالجمہور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امت میں افضل ہیں۔ یہی ہمارا عقیدہ ہے اور اسے حضرت مفکر اسلام نے زبدۃ التحقیق میں جگہ جگہ بیان فرمایا ہے۔ ہماری دردمندانہ اپیل ہے کہ نقشبندی صاحب نفس مسئلہ کو سمجھیں اور پانی میں مدھانی نہ ڈالیں تاکہ عوام اہل سنت خواہ مخواہ کی فضول کنفیوژن میں مبتلا نہ ہوں۔ اللہ کریم ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆